سلسلۂ مطبوعات اقبال اکیڈمی (۱)

عمرہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں
اقبالؔ

یادِ اقبالؒ

ترجمانِ حقیقت علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ کی وفات پر
ہندوستان کے مقتدر شعراء کا اظہارِ عقیدتمندی

حصہ اوّل

دفتر اقبال اکیڈمی ظفر منزل۔ تاج پورہ۔ لاہور

یادِ اقبال

حصّہ اوّل

مرتبہ

غلام سرور فگار ایڈیٹر پیغامِ حق لاہور

قیمت مجلّد عہ؍

قیمت غیر مجلّد عہ؍

یادِ اقبال

صفحہ	اربابِ فکر	عنوانِ فکر	نمبر شمار
۳		فہرست عنوانات	۱
۷	جناب محمد حسنین سید۔ بی۔ اے	مختصر حیات اقبال	۲
۱۷	غلام سرور فگارؔ ایڈیٹر پیغام حق لاہور	ذوق و شوق	۳
۴۰	مولانا فضل الحسن حسرتؔ موہانی	اشک خونین	۴
۴۱	حفیظؔ ہوشیارپوری ایم۔ اے	نالۂ پابندئے	۵

نمبر شمار	عنوانِ فکر	اربابِ فکر	صفحہ
۶	حضرت اقبالؒ کا مزار	آقائے مرتضیٰ احمد خاں میکش ایڈیٹر روزنامہ شہباز لاہور	۴۶
۷	اقبالؒ کے مزار پر عقیدت کے آنسو	خواجہ دل محمد ایم۔اے پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور	۴۸
۸	اقبالؒ	مرزا جلال الدین بیرسٹر	۵۰
۹	اقبالؒ بلند ہو گیا ہے	خاں صاحب ابوالاثر حفیظ جالندھری	۵۱
۱۰	علّامہ اقبالؒ	ڈاکٹر عابد حسین ایم اے پی ایچ۔ڈی جامعہ ملیہ دہلی	۵۲
۱۱	وصالِ اقبالؒ	ابو نعیم عبدالحکیم خاں نشترؔ جالندھری	۵۳
۱۲	آہ! اقبالؒ	مولانا ناصر حسن حسن پوری	۵۴
۱۳	آہ! سر اقبالؒ	جناب بزمی انصاری بی۔اے	۵۵
۱۴	یادِ اقبالؒ	جناب محمد غالب آثر چکوالی بی اے ایل ایل۔بی	۵۷
۱۵	اقبالؒ اور سرزمین پنجاب	جناب بسمل دہلوی	۵۸
۱۶	سرودِ رفتہ	سید فیضی جالندھری	۶۰
۱۷	نوحہ اقبالؒ	ملک منظور حسین منظور بی۔اے ہیڈ ماسٹر	۶۲
۱۸	اقبالؒ زمار فت	جناب غلام قادر فرخ صدر بزم سروش امرتسر	۶۴
۱۹	اقبالؒ	ملک خدا بخش اظہر امرت سر	۶۶

نمبر شمار	عنوانِ فکر	اربابِ فکر	صفحہ
۲۰	اقبالؒ	جناب جامؔ عباسی رام پوری	۶۹
۲۱	علامہ اقبالؒ	جناب حامد الانصاری غازی	۷۱
۲۲	آہ! اقبالؒ	جناب ادیبؔ مالیگانوی	۷۳
۲۳	آہ! علامہ سر اقبالؒ	جنابہ زیبؔ عثمانیہ بیگم لدھیانوی	۷۶
۲۴	اقبالؒ جنت میں	شیخ روشن دین تنویرؔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی	۷۷
۲۵	نذرِ اقبالؒ	جناب اقبال شمیم بھیروی	۸۵
۲۶	اقبالؒ	جناب سراج الدین ظفرؔ بی۔ اے! ایل! ایل۔ بی	۸۶
۲۷	عظمتِ اقبال	جناب شیر محمد حمیدؔ ایم۔ اے	۸۸
۲۸	شکستِ شیشہ	جناب اجملؔ نجیب آبادی	۹۰
۲۹	مرقدِ اقبالؒ	جناب محمد اشرف خاں عطاؔ	۹۲
۳۰	وفاتِ اقبالؒ	جناب غلام مصطفٰے بی۔ اے	۹۴
۳۱	نوحۂ غم	جناب خلیقؔ قریشی لائلپوری	۹۵
۳۲	استقبالِ موت	جناب تبسمؔ قریشی گجرات	۹۶
۳۳	آہ! شاعرِ مشرق	جنابہ فہمیدہ خاتون فرحتؔ مدیرہ خاتونِ مشرق	۹۸

نمبر شمار	عنوانِ فکر	اربابِ فکر	صفحہ
۳۴	اقبالؒ کا پیغام	سیّد الطاف حسین مشہدی	۹۹
۳۵	سرِ اقبالؒ	جناب امین شہانی	۱۰۳
۳۶	نوحۂ اقبالؒ	جناب اختر بریلوی	۱۰۴
۳۷	ماتمِ اقبالؒ	لالہ جگن ناتھ آزاد بی۔اے	۱۰۸
۳۸	آہ! اقبالؒ	جنابہ سردار بیگم اختر حیدر آبادی	۱۱۱
۳۹	ترجمانِ ملّتِ بیضا خموش	حاجی خواجہ غلام نظام الدین سجادہ نشین محمودی سلیمانی تونسہ شریف	۱۱۳
۴۰	مزارِ اقبالؒ پر	جناب محمد صادق ضیا بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی	۱۱۵
۴۱	غمِ اقبالؒ	جناب پنا لعل ششدر	۱۱۷
۴۲	ماتمِ اقبالؒ	جنابہ صالحہ بیگم مخفی	۱۱۸
۴۳	بیادِ شاعرِ مشرق	جناب عاشق محمد حاذق بی۔اے	۱۲۰

(گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام ضمیر احمد خان پرنٹر چھپی اور سید محمد شاہ پبلشر نے دفتر پیغام حق لاہور سے
شائع کی۔)

مختصر حیاتِ اقبال

جناب محمد حسنین سید - بی - اے

کچھ دن پیشتر ڈاکٹر اقبال ہم میں موجود تھے، انکی بلند پایہ ہستی ہمارے لئے مایۂ صد ناز تھی۔ ہم کو ان کی صحبتوں اور مجلسوں کا لطف حاصل تھا۔ انکی زیارت دل و دماغ کو روشنی اور روح کو فرحت و انبساط بخشتی تھی۔ ہم ان کے ارشادات اور فرمودات سے فیضیاب ہوتے تھے، اُمید تھی کہ یہ سلسلہ ابھی کچھ اور جاری رہیگا، اور یقین تھا کہ ہم ابھی دورِ حاضرہ کے اس بلند مرتبہ حکیم اور فلسفی، انسانیت کے سچے ہمدرد و معلم اور دنیائے اسلام کے ایک مایۂ ناز فرزند سے کچھ اور کسبِ فضیلت کر سکیں گے لیکن افسوس! من درچہ خیالم و فلک درچہ خیال۔ ۲۱ اپریل کی صبح نے ہماری تمام آرزوؤں اور تمناؤں کا خون کر دیا، اور ملت کا وہ درخشاں ستارہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند؛

ساقی یقیناً نہیں رہا مگر قدح ہنوز باقی ہے۔ یہ سچ ہے آج ہم میں ڈاکٹر اقبال نہ رہے، انکی صحبتیں اور مجلسیں نہ رہیں، مگر ان کا حیات بخش پیام ہم میں باقی ہے، جو ولولہ تازہ انہوں نے ملت کو بخشا ہے وہ سلامت ہے، ان کی گرم نوائی اور آہِ صحر گاہی ابھی فضا میں موجود ہے، انکی درویشانہ اور قلندرانہ زندگی ہمارے لئے مثال ہے

اگر ہم میں کچھ احساس پیدا ہو گیا ہے، اگر انکی بانگ درا نے ہم کو غفلت سے کچھ چونکایا ہے، اگر انکی نالۂ نیم شبی نے ہمارے بجس قلوب پر کچھ اثر کیا ہے۔ اگر انکی ضرب کلیمی نے ہمارے دل کے بتوں کو توڑ ڈالا ہے، اگر انکے بال ملکوتی کے سہارے ہماری پست ذہنیتیں کچھ بلند ہوئی ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم انکی وفات پر ماتم ہی کرتے رہیں۔ بلکہ ہمارے لئے لازم ہے کہ انکے زندگی بخش پیام کو سمجھیں اور سمجھائیں۔ ان کا سا فضل و کمال اور انکی سی نور بصیرت اپنے میں پیدا کریں، اُن کا سا سوز و ساز، اُن کی تب و تاب ہم آپس میں بانٹ لیں، انکے نالۂ نیم شب کا نیاز، ان کی خلوت و انجمن کا گداز ہم لے لیں، ان کی اشکیں اور آرزوئیں، اُن کی امیدیں اور جستجوئیں ہم حاصل کریں، یہی کچھ اس فقیر کی متاع تھیں جو ہمیں عطا کرنا چاہتا تھا ؎

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر   اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹا دے اسے   لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

دنیا کو ڈاکٹر اقبال جیسی نادر ہستیاں صدیوں کے بعد میسر آتی ہیں جب لوگ عام طور سے اقبال کے کلام کو سمجھنے لگیں گے تو ان کے حالات کی چھان بین کی جائے گی، ان کی زندگی کی تفصیلات کی جستجو ہوگی، ایک ایک لمحہ کے حرکات و سکنات درج کئے جائیں گے، جس کا شمار بھی مشکل ہو جائے گا۔

اقبال سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، ان کے آبار کا اصلی وطن کشمیر تھا، جہاں سے دو سو سال پہلے ان کے جد امجد ہجرت کر کے سیالکوٹ میں آبسے تھے، اقبال کے دل کو کشمیر کی یاد اکثر گدگداتی تھی ؎

کشمیر کا چمن جو مجھے دلپذیر ہے   اس باغِ جانفزا کا یہ بلبل اسیر ہے

ورثہ میں ہم کو آئی ارم کی ہے جائداد   جو ہے وطن ہمارا وہ جنت نظیر ہے

اقبال کے مورث کشمیری پنڈتوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جس کی ایک شاخ اب تک کشمیر میں موجود ہے۔ آپکے جد اعلیٰ ایک ولی کے ساتھ حسن عقیدت ہو جانیکی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے ؎

میں اصل کا خاص سومناتی   آبا مرے لاتی و مناتی

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی   برہمن زادہ رمز آشنائے روم و تبریز است

جس زمانہ میں اقبال پیدا ہوئے وہ مسلمانوں کیلئے کچھ عجیب خلاکت وادبار کا زمانہ تھا، دنیائے اسلام تنزع

کی حالت میں تھی۔ ہندوستانی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شکست کھانے کے بعد ہمت ہار کر ہتھیار ڈال چکے تھے مسلمانوں پر بغاوت کا الزام لگا کر انکی بُری طرح سرکوبی کی گئی تھی' اور بظاہر انہیں زندگی کے کوئی آثار باقی نہیں تھے۔ سرسیدؒ اور انکے رفقاء انکو جھنجوڑ کر اٹھانے کی کوشش پیہم کر رہے تھے' مگر ان میں کوئی حرکت نظر نہیں آتی تھی۔ دنیائے اسلام کا بھی یہی حال تھا۔ مسلمان حکمران یا غیر ملکیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھے یا اپنی رعایا کیلئے نہایت جابر و قاہر۔ خود عیش و عشرت میں سرشار اور رعایا جہالت و افلاس میں سرمست' یورپ کے گدھ انکو مردار سمجھ کر ان پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑے تھے۔ اس حال میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم کرتے ہوئے انکی اصلاح و سدھار کے لئے دنیائے اسلام میں چند باکمال ہستیوں کو مامور کیا۔ ترکی میں مصطفےٰ کمال، ایران میں رضا شاہ پہلوی، مصر میں زاغلول پاشا، ہندوستان میں محمد علی اور ابوالکلامؒ وغیرہم پیدا کئے۔ ان میں کسی نے تو موقعہ مناسب مل جانے کیوجہ سے اپنا کام پورا کر لیا کسی نے کام کو شروع کر دیا مگر مکمل نہ کر سکے' اور کچھ تکمیل کیلئے شب و روز کوشاں ہیں۔ امت کی یہ اصلاح و سُدھار الگ الگ وطنی، قومی اور نسلی بنیادوں پر ہوئی۔ اب ضرورت ایک ایسے معمار کی تھی جو ان مختلف اینٹوں سے ابراہیمی و مصطفوی بنیادوں پر ایک نئے حصار ملت کی تعمیر کرے اللہ نے اس کام کیلئے اقبالؒ کو ہندستان میں ۱۸۷۳ء پیدا کیا۔

اقبال کے والد ایک صوفی منش بزرگ تھے۔ انہیں مذہبیت اور دینداری بہت تھی۔ انکے بڑے بھائی حکومت کے ایک ممتاز عہدہ دار تھے۔ اقبال کی تربیت کا سہرا ان ہی بزرگوں کے سر ہے۔ اقبال کی تعلیم مکتب سے شروع ہوئی' ذہن اور حافظہ خداداد تھا۔ مڈل سے جو امتیاز، انعام تمغے اور وظیفے حاصل کرنا شروع کیا تو ایم اے تک گنتے ہی چلے گئے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"۔ اس طرح اپنی تعلیم کے بارے اپنے والدین کو ہلکا رکھا۔ ایف اے تک کی تعلیم سیالکوٹ میں ہوئی۔ وہاں انکو ایک شفیق استاد شمس العلماء مولوی میر حسن مل گئے۔ جو عربی فارسی میں عبور رکھتے تھے' اور انکو یہ کمال حاصل تھا کہ اپنے شاگرد کو جو مضمون پڑھاتے اسکا انہیں صحیح مذاق پیدا کر دیتے۔ اقبال نے حتی الوسع خوب استفادہ کیا۔ بی اے کی تعلیم کیلئے لاہور آنا پڑا۔ گورنمنٹ کالج میں داخلہ ہوا فلسفہ اختیاری مضمون پسند کیا۔ حسن اتفاق سے وہاں ایک فاضل مستشرق پروفیسر آرنلڈ سے ملاقات ہوئی۔ انکو فلسفہ کا بڑا اچھا ذوق تھا۔ جو بندہ یابندہ' اقبال نے ان سے بھی اچھی طرح کسب فضیلت کیا۔ آپس کے تعلقات ایسے بڑھے کہ شاگردی دوستی کی حد تک پہنچ گئی جب آرنلڈ

صاحب انگلستان تشریف لے گئے تو اقبال نے "نالۂ فراق" کے عنوان سے آرنلڈ صاحب کی یاد میں ایک نہایت مؤثر نظم لکھی اور بالآخر ۱۹۰۵ء میں آرنلڈ صاحب کی کشش نے اقبال کو انگلستان کھینچ لیا۔

خوش قسمتی سے اقبال کو اپنے علمی منازل طے کرنے کیلئے بہت اچھے اچھے رہبر ملے اور بڑے بڑے علماء سے سابقہ پڑا۔ انگلستان پہنچنے پر کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ کرایا۔ وہاں ڈاکٹر میک ٹیگرٹ، براؤن نکلسن اور ساری جیسے فضلاء سے انکی ملاقات ہوئی۔ اقبال نے انکے گلشن علم و ادب سے خوب گلچینی کی کیمبرج یونیورسٹی سے بذریعہ تحقیقات علمی فلسفۂ اخلاق کی ڈگری لی پھر جرمنی کی میونک یونیورسٹی سے ایک کتاب فلسفۂ ایران لکھنے پر پی ایچ ڈی کا فرسٹ کلاس ڈپلوما حاصل کیا، اس کتاب پر انگلستان کے مشہور پرچوں میں بڑے بڑے اہل الرائے کے تبصرے شائع ہوئے اور کتاب یورپ میں مقبول ہوئی جرمنی سے پھر لندن واپس آئے اور وہاں اسکول آف پولیٹکل سائنس میں داخل ہوئے وہاں سے فراغت کے بعد بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ انگلستان کے دوران قیام میں اسلام پر چھ پبلک لکچر دیئے جو بہت مقبول ہوئے، لندن یونیورسٹی میں پروفیسر آرنلڈ کے قائم مقام کی حیثیت سے چھ مہینے تک عربی کے پروفیسر بھی رہے یہ شرف کسی ہندوستانی کو شاید ہی حاصل ہوا ہوگا۔

سنہ میں تین سال کی کامیاب کوششوں کے بعد اقبال وطن لوٹے۔ اسوقت انکی عمر ۳۲ یا ۳۳ سال کی تھی اس عمر میں اتنے علمی اعزازات اور ڈگریاں اللہ کی دین ہیں۔ اپنی مادری زبان کے علاوہ انگریزی، عربی، فارسی، سنسکرت اور یورپ کی کئی زبانوں کا ماہر ہونا کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ اس عمر میں شہرت اور مقبولیت کی اس بلندی پر پہنچ جانا کچھ کم قابل رشک نہیں۔

اقبال جب ولایت جا رہے تھے تو دہلی میں حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ میں حاضر ہوئے اور "التجائے مسافر" کے عنوان سے ایک دعائیہ قصیدہ بطور نذرانے کے انکی جناب میں پیش کیا جس کا ایک شعر اقبال کے میلان طبع اور فطرت سلیم کا پتہ دیتا ہے ؎

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی — مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی — بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام
وگر کشادہ جبینم گل بہار توام

اقبال کے دل میں بزرگوں کی یہ ارادت اور عقیدت آخر عمر تک باقی رہی۔ آگے چل کر اقبال اپنے سفر کی غرض و غایت

بتاتے ہیں، اور ان کے توسط سے اللہ سے دعا مانگتے ہیں ؎

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے　　شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
فلک نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں　　تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہو اس قدر آگے　　کہ سمجھے منزلِ مقصود کارواں مجھ کو
مری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دکھے　　کسی سے شکوہ نہ ہو زیرِ آسماں مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثلِ شانہ جس کا اثر　　تری جناب سے ایسی ملے فغاں مجھ کو
پھر آ رکھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں　　کیا جنھوں نے محبت کا رازداں مجھ کو

شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ اقبال کی یہ دعا جس طرح حرف بحرف مقبول ہوئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وہ مسافر جب تین سال کے بعد یورپ سے لوٹتا ہے تو پھر اسی عاجزی اور انکساری کیساتھ اس درویش کے آستانہ پہ حاضر ہو کر اپنی محبت اور اپنی پرانی عقیدتمندی کا اظہار کرتا ہے۔ یورپ کی آب ہوا، اسکی تہذیب و تمدن اور نئے علوم ہندستان سے جانے والے اکثر طالب علموں کی قلب ماہیت کر دیتے ہیں مگر یہ اقبال پر مطلق اثر انداز نہیں ہوتے ؎

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں　　کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

اقبال دہلی سے گذر کر انبالہ رکے اور اپنے دوستوں سے ملتے ہوئے لاہور پہنچے۔ اسٹیشن پر اعزہ و احباب کا جمگھٹا تھا اسی دن شام کو انکے اعزاز میں ایک پارٹی دی گئی، دوسرے دن سیالکوٹ پہنچ کر اپنے ماں باپ کے قدموں پہ پیشانی رکھی۔

اقبال جب ایم اے پاس کر چکے تھے تو اورینٹل کالج لاہور میں فلسفہ اور سیاست مدن کے لکچرار مقرر ہوئے۔ پھر گورنمنٹ کالج میں فلسفہ اور انگریزی کے پروفیسر ہو گئے، اور اپنے فرائض کو بہت حسن و خوبی سے انجام دیتے تھے۔ اکثر طالبعلموں کو اپنے گھر پہ پڑھایا کرتے۔ علمی مشاغل انکی زندگی کیلئے لازمی عنصر ہو گئے تھے جب اقبال یورپ سے واپس آئے تو کچھ دنوں بدستور گورنمنٹ کالج میں پروفیسر رہے، پھر اسکے بعد وکالت شروع کی، مگر وکالت کو اقبال کی زندگی میں کوئی اہمیت

نہیں حاصل ہے۔ وہ محض کسب معاش کا ایک ذریعہ تھی۔ جو کچھ اس سے ہاتھ آجاتا اس پہ قناعت کرتے۔ اکثر ایسا ہوا کہ وہ جو کچھ کماتے جب تک وہ خرچ نہ ہو جاتا، عدالت کا منہ نہ دیکھتے، اور جو وقت اس طرح بچتا وہ کتب بینی، غور و فکر، ملت کی حالت سدھارنے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے ذرائع سوچنے میں گذارتے۔ ان کی زندگی کی ساری کمائی ان کے کلام کے وہ چند مجموعے ہیں جو آج ملت کے لئے گراں بہا اور قابل فخر خزانہ ہے۔

اقبال ذہنی طور پہ فرقہ بندی سے بہت بلند تھے، ان کی ہمدردی آزاد اور ترقی پسند طبقہ کو حاصل تھی مگر وہ عملی سیاست میں قدم رکھنا نہیں جانتے تھے ؎

یہ عقدہ ہائے سیاست تجھے مبارک ہوں — کہ فیض عشق سے ناخن مرا ہے سینہ خراش

لیکن انکے دوستوں نے باصرار ۱۹۲۶ء میں کونسل کے انتخابات کیلئے امیدوار کھڑا کیا اور وہ کثرت رائے سے کامیاب ہو گئے۔ کونسل میں تا حد امکان مسلمانوں کی نمایندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ انکا دردمند دل غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کی سود و بہبود کیلئے ہمیشہ بیقرار رہا۔ اور کونسل کے مختلف اجلاسوں میں انکے فائدے کی بہت سی تحریکیں پیش کیں۔ اور اس قسم کی تمام تحریکوں کی پر زور تائید یں کیں! ایک تحریک پیش کی کہ ملک کا ایک طبقہ اکثر مذہبی پیشواؤں اور بزرگوں پر کمینے حملے کیا کرتا ہے، گورنر جنرل باجلاس کونسل سے سفارش کی جائے کہ اس قسم کی حرکتوں کے سدباب کیلئے کوئی قانون نافذ کیا جائے چنانچہ ایسا ایک قانون ۱۹۲۷ء میں منظور ہو کر نافذ ہو گیا۔ تلوار کا اسلحہ ہند سے مستثنےٰ کرنے اور حکومت کو شراب نوشی کے انسداد کی حکمت عملی اختیار کرنے کی تحریک بھی آپ نے پیش کی وغیرہ وغیرہ۔

۱۹۲۸ء میں مدراس یونیورسٹی نے چند لکچر دینے کیلئے آپکو مدعو کیا، آپ آخر دسمبر میں وہاں تشریف لے گئے۔ اس سلسلہ میں اور بھی کئی مقامات میسور، بنگلور اور سرنگاپٹم کی سیر کی۔ مختلف افراد، اداروں اور انجمنوں کی طرف سے آپکی دعوتیں ہوئیں اور بیشمار سپاسنامے آپکی خدمت میں پیش کئے گئے، آپنے وہاں کی یونیورسٹیوں میں لکچر بھی دیئے۔ اعلیحضرت نظام دکن نے بھی ملنے کی دعوت دی۔ آپ شاہی مہمان ہو کر حیدرآباد تشریف لے گئے۔ وہاں آپکی شاہانہ مہمان نوازی کی گئی۔ اس دوران حیدرآباد، میسور اور مدراس کے اخباروں نے آپ کے فضل و کمال پہ مقالات لکھے اور بعض نے اقبال نمبر شائع کیا۔

۱۹۳۱ء میں حکومت ہند کی دعوت پر گول میز کانفرنس میں شرکت کیلئے انگلستان تشریف لے گئے۔ واپسی میں سپین، فرانس، اٹلی اور فلسطین کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان لوٹے۔ اس سفر میں یورپ سے ہمارے لئے جو تحفہ لائے وہ بہت ہی قابل قدر ہے۔ بال جبریل کی اکثر نظمیں اسی سفر میں لکھی گئیں۔ سپین کی سیاحت اور اسلامی عہد کے آثار جامعہ قرطبہ کھنڈرات و عمارات کا انکے دل پر بہت اثر پڑا۔ جو نظمیں قرطبہ میں لکھی گئی ہیں بڑی دلچسپی اور بڑے غور کیساتھ مطالعہ کی مستحق ہیں۔

اسی سال آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے، الہ آباد میں اسکا سالانہ اجلاس ہوا جسمیں انہوں نے ہندوستانیوں کے آپس کے مناقشات دور کرنے کیلئے پاکستان کی معرکۃ الآرا تجویز پیش کی جس سے آج کل بڑی دلچسپی لی جارہی ہے۔

۱۹۳۳ء میں شاہ افغانستان نے اپنے ملک کی تعلیمی اصلاحات کیمتعلق مشورہ کرنے کیلئے آپکو کابل آنیکی دعوت دی، آپ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اور سر راس مسعود مرحوم کیساتھ افغانستان تشریف لے گئے۔ اس سلسلہ میں ملک کے دوسرے حصوں کی سیر کی۔ مختلف شاہ و گدا کے مزارات پر فاتحہ پڑھی۔ قندھار میں خرقہ مبارک کی زیارت کی، اس کے تاثرات کو آپنے فارسی میں منظوم کیا ہے۔ مسافر کے نام سے یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

عملی سیاسیات سے اقبال کی دلچسپی برائے نام تھی۔ مگر ادھر چند سال سے بالکل الگ ہوگئے تھے۔ وکالت بھی چھوڑ دی تھی اور گوشہ نشیں ہو کر زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ اپنی تصانیف سے جو کچھ آمدنی ہوتی اُس پہ گذارہ تھا۔ خرچ بہت تھا ــــ کئی آدمیوں کی پرورش کے علاوہ ایک لڑکے جاوید سلمہ کی تعلیم کے مصارف برداشت کرنے پڑتے تھے۔ کتابوں پہ بھی ایک کثیر رقم صرف کرتے تھے۔

چند سال ہوئے اعلیحضرت نواب صاحب بھوپال سے انکے دوستانہ تعلقات ہوگئے تھے انہوں نے از راہِ قدردانی و علم پروری پانچسو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا تھا جس سے انکو ایک گونہ اطمینان ہوگیا تھا۔ اس سے کچھ سال پیشتر انکو اپنی تصانیف سے یکمشت تقریباً ۲۰-۳۰ ہزار کی رقم مل گئی تھی، جس سے انہوں نے اپنے چھوٹے بچے کے نام سے ایک مکان جاوید منزل میو روڈ پر بنوا لیا تھا۔ جن لوگوں نے آپکا مکان دیکھا ہے انکا بیان ہے کہ کہنے کیلئے تو

کوٹھی ہے مگر اپنی سادگی اور بے سروسامانی کیلئے اپنی مثال آپ ہے۔ اس کوٹھی کے ایک گوشہ میں چارپائی پر کبھی لیٹے کبھی تکیوں کے بل بیٹھے دن بھر حقہ پیا کرتے تھے۔ چار پانچ سال سے انکو بیماری نے اور بھی بالکل مجبور کر دیا تھا۔ گلے سے آواز بڑی تکلیف سے نکلتی تھی بصارت کم ہو چکی تھی موتیا بند کا مرض تھا، اسکا آپریشن کرانا چاہتے تھے کمزوری ناتوانی کا یہ عالم تھا کہ مشکل کمرے سے نکل کر صحن میں آکر بیٹھتے۔ نواب صاحب بھوپال نے انکو علاج کی خاطر بھوپال بلا لیا تھا۔ کچھ دنوں وہاں رہے جب کچھ افاقہ ہوا تو پھر لاہور چلے آئے اور وہیں علاج جاری تھا۔ امید تھی کہ افاقہ ہو جائیگا۔ اس حالت میں بھی اس فدائے ملت کے ارادے اور حوصلے قابل قدر اور لائق ستائش ہیں۔ اس بیماری کے عالم ہی میں جب بھوپال میں علاج کرا رہے تھے تو بہت سی نظمیں لکھیں جو ضرب کلیم میں شائع ہو چکی ہیں۔ اسکے علاوہ نثر میں موجودہ حالات کے مطابق ایک فقہ اسلامی مرتب کرنے کا خیال تھا، اس کیلئے مشرق و مغرب سے مواد اکٹھا کر رہے تھے لیکن افسوس موت نے اسکا موقع نہ دیا، ورنہ ملت کو اسلامی اور سیاسی زندگی کا ایک ایسا دستور مرتب کر کے دے جاتے جو ملت اسلامیہ کے موجودہ انتشار و بیچینی کیلئے جیسا کچھ مفید ثابت ہوتا اسکا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ آپ آکسفورڈ یونیورسٹی میں رہوڈس لکچر کے سلسلہ میں بھی چند خطبات دینے والے تھے۔

کئی سال سے آپ زیارت بیت اللہ و حرم نبوی کا ارادہ رکھتے تھے۔ پچھلے سال یوم اقبال کے موقع پر جب استاذی مولنٰنا اسلم صاحب لاہور تشریف لے گئے تو ڈاکٹر صاحب سے ملے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان سے فرمایا کہ میں دو سال سے ارادۂ حج میں ہوں۔ بلکہ وہ اشعار بھی لکھ لئے تھے جو سفر سے متعلق ہیں اور ان میں سے کہیں کہیں سے سنایا بھی۔ مکہ سے مدینہ کو روانگی کے وقت ایک غزل لکھی ہے جس میں اللہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ؎

تو باش ایں جا و با خاصاں بیامیز کہ من دارم ہوائے منزل دوست

کہتے ہیں کہ یہ شعر سناتے ہی گریہ ایسا گلوگیر ہو گیا کہ آواز بند ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ افسوس!! انکو بیت اللہ اور حرم نبوی کی زیارت کا موقع نہیں ملا۔ ورنہ حجاز سے ہمارے لئے کیا کچھ تحفہ لاتے جس کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ کعبہ کی زیارت کیلئے حجاز جاتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں جنکی زیارت کیلئے کعبہ خود آتا ہے۔ سچ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو کیسے اپنے سفر سے متعلق پیشگی اشعار لکھ لیتے ——— ان اشعار کے مجموعہ کا نام ارمغان حجاز ہے۔

اقبال آخر عمر میں حب نبی میں بالکل ڈوب گئے تھے جیسا کہ اوپر کے واقعہ سے ظاہر ہوا ہوگا وہ اپنے عیوب و گناہ خداوند علیم و خبیر سے کیسے پوشیدہ رکھ سکتے تھے پھر اسکی غفاری و ستاری سے کچھ اطمینان بھی تھا مگر وہ نہیں چاہتے تھے کہ روز محشر انکے گناہ کسی طرح نبی صلی اللہ

علیہ وسلم پر ظاہر ہو جائیں چنانچہ ان ہی دنوں ایک نہایت پرسوز و مؤثر رباعی ان کی زبان سے نکلتی ہے ؎

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر — روز محشر عذر ہائے من پذیر
تو اگر بینی حسابم ناگزیر — از نگاہ مصطفےٰ پنہاں بگیر

اسی زمانہ میں وہ انگریزی زبان میں "بھولا ہوا پیغمبر" (FORGOTTON PROPHET) کے عنوان سے ایک نظم لکھنا چاہتے تھے کاش! اگر وہ نظم لکھی جاتی تو انگریزی زبان کا بھی ایک شاہکار اور غیر فانی نظم ثابت ہوتی۔

جب اقبال کی شہرت بہت عام ہو گئی، انکی کتاب "اسرار خودی" اور "رموز بے خودی" کا یورپ کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور انکے علم و فضل کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجنے لگا، تو حکومت ہند نے بھی از راہِ قدر دانی بڑے اعزاز و اکرام سے سب سے بڑا خطاب "سر" انکو پیش کیا، اور انہوں نے اس کو قبول کیا۔ اس پر لوگوں کو اعتراض ہے کہ اقبال جیسے حریت پسند اور آزاد انسان نے اسکو کیوں قبول کیا۔ پھر ان پر یہ بھی الزامات ہیں کہ ملکہ وکٹوریہ کے انتقال پر ایک لمبا ترکیب بند لکھا۔ گورنر کی شان میں قصیدہ لکھا، انکی ساری زندگی سرکار پرستوں کے ساتھ گذری ع ہے عجب مجموعۂ اضداد اے اقبال تو، بات یہ ہے اقبال ایک بلند مرتبہ انسان تھے، انکا دل فرقہ پروری سے پاک تھا۔ اور دوست دشمن انکی نظروں میں یکساں۔ وہ قدر شناسی میں بہت فیاض واقع ہوئے تھے، اگر کوئی انکے ساتھ معمولی احسان کرتا تو زندگی بھر اسکے احسان کو مانتے، اگر وہ کسی میں کوئی خوبی دیکھتے تو بڑی فراخدلی سے اسکا اعتراف کرتے، انہوں نے شیطان کی خودی کو بھی سراہا ہے، اور مسولینی جیسے خونخوار انسان کی ندرت فکر و عمل کی بھی داد دی ہے۔ اقبال کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ان کی نظر کسی برائی کی نسبت اچھائی پر زیادہ پڑتی ہے۔ انکا قلم کسی ہجو لکھنے سے بالکل پاک ہے۔ زندگی بھر میری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے" پر عمل رہا ہے اس لئے ملکہ وکٹوریہ کے انتقال پر جن کے بعض ذاتی اوصاف مسلمہ ہیں اگر کوئی درد انگیز ترکیب بند انکے قلم سے نکل جاتا ہے۔ یا کسی انگریز کے کسی اخلاق سے متاثر ہو کر کوئی مدحیہ قطعہ لکھ دیتے ہیں یا کوئی دشمن انکی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرتا ہے اور وہ اپنی اس عالی ظرفی سے کام لیکر اسکو قبول کر لیتے ہیں تو اس میں تعجب کی بات نہیں ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا وہ اوروں کی طرح "سر" ہو کر واقعی حکومت کے آلہ کار بن گئے؟ اس کیلئے ہم کو انکی زندگی پر نظر ڈالنی ہوگی ہم انکی ساری زندگی ٹٹولتے ہیں اور عاجز و درماندہ رہ جاتے ہیں۔ انکی ساری زندگی تو ایک رند مشرب صوفی اور درویش کی سی معلوم ہوتی ہے۔ زندگی بھر انکی زبان پہ یہ شعر رہا، اور اس کی دوسروں کو تلقین بھی کرتے رہے ؎

اے مرے فقر غیور فیصلہ تیرا ہے کیا — خلعت انگریز یا پیرہن چاک چاک

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت — فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم

برخلاف اسکے انکے ساتھی بڑے کیا کچھ ہو گئے، اگر افریقہ کی ایجنسی انکو پیش بھی کی جاتی ہے تو اسکو قبول نہیں فرماتے۔ اس قسم کے بہت سے مواقع نام و ثروت کے زندگی میں انکو حاصل ہوئے۔ مگر وہ ہمیشہ ان سے احتراز کرتے رہے۔

ڈاکٹر اقبال کیا تھے؟ اس سوال کا جواب بہت مشکل ہے۔ کہنے کیلئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ دنیا کے ایک بہت بڑے انسان، دورِ حاضرہ کے ایک بلند پایہ حکیم و فلسفی، دنیا پر خودی کا راز فاش کرنے والے، انسانوں کو آداب جنون و خود آگاہی سکھانے والے غلاموں کو اسرار فقر و شہنشاہی سمجھانے والے مسلمانوں کو شانِ مومن بتلانے والے حقیقت کے ترجمان، انسانیت کے معلم، وطن کی عزت، ایشیا کی آبرو، ملت کی شان وغیرہ وغیرہ۔ لیکن انکی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں انسان کامل کی ایک جھلک پائی جاتی تھی، وہ خود دار فقیر پکے مومن اور عاشق رسول تھے۔ وہ ملت اسلامیہ کو ایک لو لہ تازہ بخشنے، انسانیت کو حیاتِ نو تازہ کرنے اور غلاموں کو درس خودی دینے کے لئے مامور ہوئے تھے اور ہم اسکی شہادت دے سکتے ہیں کہ بحمد اللہ اس حکیم مشرق نے اپنے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دیا، اب انکے کام کی تکمیل اور اسکے نتائج سے فائدہ اٹھانا ہمارا کام ہے خدا ہم کو اس کی توفیق دے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذوق و شوق

گرفتم ایں کہ کتابِ خرد فرو خواندی
حدیثِ شوق نہ فہمیدۂ دریغ از تو

اقبالؔ

○

دکھا کے دُور ہی سے جامِ ارغواں ساقی — دل و جگر کو مرے کر گیا جواں ساقی
مَیں اُس کو ڈھونڈنے نکلوں بھی تو کدھر جاؤں — خبر نہیں ہے کہاں مَیں ہوں اور کہاں ساقی
نہیں ہے بادہ و مینا سے کچھ غرض مجھ کو — جہاں کی جان ہے اور میری جانِ جاں ساقی

گرا کے خرمنِ ہوش و خرد پہ برقِ جمال
شکیب و صبر کا لے اور امتحاں، ساقی

مَیں کیا کروں پہ نہیں ضبط و اختیار مجھے
ترے فراق میں زیبا نہیں فغاں، ساقی

جھکایا جس پہ سرِ اپنا جہاں کے شاہوں نے
مری نظر میں ہے وہ سنگِ آستاں، ساقی

مجھے بھی اُس کا نظارہ میسر آ جائے
جہاں میں پیدا کیا تُو نے جو جہاں، ساقی

تو آ کہ دید کو میری ترس گئیں آنکھیں
کہ مَیں بھی ہوں تری محفل کا رازداں، ساقی

غزل سرائی مری سازِ آرزو کی نوا
جلا رہی ہے مجھے آتشِ نہاں، ساقی

مَیں تیری نذر کو لایا ہوں آبگینۂ دل
نہیں ہے پاس کوئی اور ارمغاں ساقی

خودی کی پھونک کے اک روحِ جاوداں اس میں
عطا کر اس کو بھی تُو عمرِ جاوداں ساقی

نہیں ہے حد کوئی اِس ذوق و شوق کی اقبالؔ
دکھائے جا مجھے اندازِ دلستاں ساقی

○

بہت بلند ہے گلشن سے آشیاں تیرا
زماں بھی تیرا، مکاں اور لامکاں تیرا

محمدِ عربی کا تو عاشقِ زندہ
جہانِ عشق ترا، حسنِ جاوداں تیرا

تری متاعِ غم و درد و شوق کو لے کر
رواں ہے مشرق و مغرب سے کارواں تیرا

ڈبو دے خشک و ترِ کائنات کو اس میں
یہ بحرِ عشق و محبت جو ہے رواں تیرا

کیا ہے رازِ خودی عام اس قدر تو نے
کہ ذرہ ذرہ ہستی ہے رازداں تیرا

حیات کیا ہے خودی کی نمودِ رندانہ
خودی ہے جوہرِ ہستی کا اک نشاں تیرا

نقاب الٹ کے ذرا دیکھ اپنے چہرے کا
کھڑا ہے کب سے تماشائی اک جہاں تیرا

اسے بھی رازِ حقیقت کا کچھ بتا اقبالؔ
شہیدِ ذوقِ تجسس ہے اک جواں تیرا

○

میں بھلا دوں کس طرح پھر ترا نالۂ شبانہ — ہے اسی کے دم سے میری یہ نوائے عاشقانہ

مرے سازِ زندگی کو ہمہ تن گداز کر کے — یہ نکل رہا ہے پیہم ترے عشق کا ترانہ

وہ حقیقت اپنے جلووں کو دکھا کے چھپ گئی ہے — شب و روز جس کی آمد کا تھا منتظر زمانہ

دلِ بے قرار یہ بھی کوئی زندگی ہے تیری — نہ نگاہِ قہرمانہ، نہ ادائے دلبرانہ

میں سناؤں اُن کو کیسے یہ پیامِ رزمِ ہستی — رہے عمر بھر جو سنتے شبِ عیش کا فسانہ

ترے آتشیں ترانے میں مدام گا رہا ہوں

ہو مجھے بھی تا کہ حاصل تب و تابِ جاودانہ

جو داغ ہیں دل میں وہ دکھا میں نہیں سکتا
قصۂ غمِ فرقت کا سُنا میں نہیں سکتا

گر نورِ محبّت سے منوّر ہو نہ سینہ
فطرت کے یہ اسرار بتا میں نہیں سکتا

آنکھوں میں سمایا ہے مری جب سے وہ جلوہ
پہنائے دو گیتی میں سما میں نہیں سکتا

بہنے دو مرے دیدۂ دل سے ابھی گنگا
جذباتِ محبّت کو دبا میں نہیں سکتا

جس عشق سے روشن ہیں دو عالم کی فضائیں
سینے کے حجابوں میں چھپا میں نہیں سکتا

وہ نقش ہوں، نقّاش کو بھی ناز ہے جس پر
اس صفحۂ ہستی سے مٹا میں نہیں سکتا

اقبالؔ سا محرم کوئی ملتا نہیں مجھ کو
یہ داغِ دل اوروں کو دکھا میں نہیں سکتا

مرے خلوتکدے میں وہ اگر اک بار آ جائے
تو جوشِ رقص و مستی میں در و دیوار آ جائے

چل اے بادِ صبا پھر مسجدِ شاہی کی جانب سے
اسی صورت سے ممکن ہے پیامِ یار آ جائے

کہاں ہے آج وہ رندِ بلا آشامِ میخانہ
جو خُم میں ڈوبنے کے بعد بھی ہشیار آ جائے

ہر اک ذرّہ دشتِ عاشقی ہے منتظر اب تک
کہیں سے وہ سوارِ ناقۂ سیّار آ جائے

فضائے شہر و صحرا میں الٰہی پھر ترے بندے
پریشاں دل ہیں کوئی قافلہ سالار آ جائے

جہاں میں پھونک دے جو زندگی کی رُوح اک تازہ
خودی کا وہ پیمبر، حاملِ اسرار آ جائے

متاعِ جان و دل قرباں کروں میں اُسکے قدموں پہ
اگر پھر سے وہ مردِ دیدۂ بیدار آ جائے

مجھے بھی بخش اے اقبال وہ سوزِ دروں اپنا
کہ دل میں جوشِ عشقِ احمدِ مختار آ جائے

○

مرے اس درد کا درماں کہاں ہے   مَیں بے خود ہوں، مئے عرفاں کہاں ہے

ہوں تنگ آیا جھٹکوں کی زندگی سے   الٰہی! نوح کا طوفاں کہاں ہے

سما سکتا نہ تھا جو اس جہاں میں   وہ خود آگاہ اک انساں کہاں ہے

نہیں تکرار کی خُو زندگی کو   دوامی ہے جو نقشِ جاں کہاں ہے

جہاں کا آفتابِ رُوح پرور   ستاروں کا مہِ تاباں کہاں ہے

کوئی اقبالؔ سے پوچھے تو جا کر

مری تقدیر کا ساماں کہاں ہے

یہ کون سرِ محفلِ میخانہ بدوش آیا
ہلچل سی مچی ہر سُو، رندوں میں بھی جوش آیا

دیکھا ہے یہ پھر کس نے خونریز نگاہوں سے
ہستی کا ہر اک ذرّہ ہنگامہ فروش آیا

کس زورِ نفس سے پھر مُردوں کو کیا زندہ
دنیائے محبّت میں وہ بن کے سروش آیا

امروز کی دنیا کو پیغامِ خودی دے کر
ہنگامۂ فردا ہیں غارت گرِ دوش آیا

پھر اُس نے بدل ڈالی ہیئت ہی مری ہستی کی
اک زلزلۂ قصرِ افکارِ خموش آیا

جب ساقیِ خود آگہ رخصت ہوا دنیا سے
افسوس کہ اب مجھ کو پینے کا یہ ہوش آیا

○

پھر سمندِ شوق کو آکر مرے مہمیز کر
دشت کے ذرّوں کو پھر مہرِ تجلّی ریز کر

پھر بدل دے قوتِ تخلیق سے راہِ حیات
ساری دُنیا میں بپا طوفانِ رستا خیز کر

پھُونک پھر اس قلبِ افسردہ میں رُوحِ حیدریؑ
بے نوا کو وارثِ تختِ جم و پرویز کر

خود فراموشی سے خالی عاشق و معشوق ہوں
جوشِ عرفانِ نفس سے عشق کو لبریز کر

جذبِ مستی میں کھڑے ہیں پھر سراپا انتظار
یا الٰہی اپنے بندوں سے نہ اب پرہیز کر

اپنے جلووں سے منوّر کر کے دل کی کائنات
اور بھی رفتارِ ذوقِ جستجو کو تیز کر

کیمیائے عشق ہے اقبؔال تیری مُشتِ خاک
میری ہستی کو بھی نذرِ آتشِ تبریز کر

○

ظلمتِ شرق و غرب میں ماہِ کمال بن کے آ

لشکرِ کفر کے لئے تیغِ ہلال بن کے آ

عشق کی کائنات کو محشرِ رزم و بزم کر

مستِ جلال بن کے آ، مستِ جمال بن کے آ

بادِ سموم سے کبھی کر اسے پائمالِ غم

اور کبھی باغِ عشق میں بادِ شمال بن کے آ

واقفِ عمرِ جاوداں پھر دلِ اہلِ شوق ہو

حلقۂ قیل و قال میں مرشدِ حال بن کے آ

پیکرِ جستجو میں اور آتشِ غم بھڑک اُٹھے
دشتِ طلب میں صورتِ امرِ محال بن کے آ

تیری رضا پہ گردشِ ارض و سما کا ہے مدار
خالقِ دو جہاں کی تُو زندہ مثال بن کے آ

رازِ حیات کا تجھے کہتے ہیں لوگ ترجماں
میرے جنوں کا بھی تُو اب محرمِ حال بن کے آ

۱

○

مدّت سے تھا محرومِ نوا سازِ خودی کا
ہستی کے تھا سینے میں نہاں رازِ خودی کا

کس مطربِ مشّاق کی یہ زخمہ وری ہے
پھر ساز ہوا زمزمہ پردازِ خودی کا

پامالِ ستم کردیا دنیائے سکوں کو
حامل ہے یہ رہوارِ تگ و تازِ خودی کا

پھر عاشق و معشوق ہوئے زندۂ جاوید
مسکن ہوا یہ جلوہ گہِ نازِ، خودی کا

آنے لگیں ہر سُو سے اناالحق کی صدائیں
اُڑنے لگا افلاک پہ شہبازِ خودی کا

اقبالؔ ترے ذوقِ نظر کا یہ اثر ہے
ہر ذرّۂ ہستی ہوا ہمرازِ خودی کا

ہو گیا پنہاں وہ میرِ کارواں لاہور کا
قافلہ بے جادہ و منزل رواں لاہور کا

جس نے دنیا بھر کے رندوں کو صلائے عام دی
مرشدِ کامل تھا اک پیرِ مغاں لاہور کا

اِس خراب آباد میں اب وہ دلِ بینا نہیں
ڈھونڈتا پھرتا ہے ہر پیر و جواں لاہور کا

بجھ کے وہ شعلہ ہے لیکن اور بھی تابندہ تر
جس کی چنگاری سے روشن تھا جہاں لاہور کا

عشق و مستی کے سُنا کر نغمہ ہائے جاوداں
جاودانی کر گیا نام و نشاں لاہور کا

سینکڑوں عالم بنائے پھر دمِ تخلیق سے
خاک کر ڈالا جلا کر اک جہاں لاہور کا

ہو گئے ہیں باعثِ صد افتخارِ کائنات
یہ زمیں لاہور کی، یہ آسماں لاہور کا

جاوداں اس کو بھی کر اقبالؔ سوزِ عشق سے
نذر کو لایا ہے دل، اک نوجواں لاہور کا

حُسنِ کرشمہ ساز، پھر جلووں کو اپنے عام کر
آپ بھی تُو دوام ہے عشق کو بھی دوام کر

عرصۂ خاکداں میں گر قیدِ مقام ہے تو کیا
اپنے کرم سے تُو مرا عرشِ بریں مقام کر

دِل کے حریمِ شوق میں آکے تُو جلوہ ریز ہو
عاشقِ مست سے نہ کچھ ذکرِ رہِ کلام کر

گرمیٔ ذکرِ دوست سے جس کی جبیں ہو رشکِ مہر
ایسی سحر کی اے خدا تُو بھی کبھی نہ شام کر

دُور بہت نکل گیا قافلہ اے نگار اب
ناقۂ تیز گام کو اور بھی تیز گام کر
تجھ کو بھی کچھ خبر ہے کیا رازِ دوامِ زندگی؟
قلب و جگر کو خوگرِ سوزشِ ناتمام کر
پیرِ مغاں کو بر مَلا کہہ گیا کل یہ ایک رند
بادۂ خام سے نہ تُو دعوتِ پختہ کام کر

○

پھر دیارِ حسن میں شوقِ شہادت لے چلا | نذر کرنے کو میں دلبر کی امانت لے چلا

مژدہ اے دشوار یو! آساں ہوئی راہِ حیات | کارواں سب ساز و سامانِ محبت لے چلا

اس تمنا میں کہ پرسش ہو دلِ بیتاب کی | دیدۂ گریاں میں میں اشکِ ندامت لے چلا

روزِ محشر کے لئے اس عشقِ طوفاں خیز کی | اپنے سینے میں دبا کر اک قیامت لے چلا

جزو و کل پر مرگِ عالمگیر طاری ہو گئی | رخصتِ ہستی جب وہ مردِ عزم و ہمت لے چلا

دشتِ غربت بھی وطن ہے اے عزیزانِ وطن | فکر کیا گر عشق سوئے دشتِ غربت لے چلا

تو نے اے اقبال کیا چھیڑا اربابِ دل فگار

باغباں بھی باغ سے رختِ اقامت لے چلا

○

جو دل میں کسی کی بھی تمنّا نہیں رکھتا
آنکھیں تو وہ رکھتا ہے پہ بینا نہیں رکھتا

جلوے کی تو مشتاق ہیں میری بھی نگاہیں
موسٰیؑ کی سی میں خو ئے تقاضا نہیں رکھتا

تُو آ کے مری جاں میں سما جائے تو اچھا
مَیں غیر نہیں، حاجتِ پردا نہیں رکھتا

نظروں میں مری دوش کی ہے دوش حقیقت
امروز کا قائل ہوں مَیں فردا نہیں رکھتا

دل چیر کے میں اُس کو دکھاؤں بھی تو کیسے
پہلو میں جو اپنے دلِ بینا نہیں رکھتا

آوارۂ منزل رہا وہ رہروِ ہستی
جو سر میں غمِ عشق کا سودا نہیں رکھتا

سینے میں مرے درد و غم و شوق کی دولت
تُو آ کے ذرا دیکھ میں کیا کیا نہیں رکھتا

اقبالؔ یہ سب تیرا ہی فیضانِ نظر ہے
جو ذوق مرا کوئی کنارا نہیں رکھتا

○

اے رندِ زخود رفتہ خود ساقیِ محفل بن

اے رہروِ گم گشتہ آپ اپنی ہی منزل بن

تُو جوہرِ ہستی ہے، ہستی کو بقا تجھ سے

اے برقِ درخشاں پھر اس کشت کا حاصل بن

اسرارِ حقیقت کے خود تجھ پہ عیاں ہوں گے

اے عاقلِ دیوانہ، دیوانۂ عاقل بن

تُو حق میں سما جا اور حق تجھ میں سما جائے

اے مردِ قلندر پھر غارت گرِ باطل بن

تُو عشق کا بندہ ہے اور عشق کا آقا بھی
یہ جنسِ امانت ہے اس جنس کا حامل بن
مانگے سے مزا جب ہے مل جائیں جہاں دونوں
دُنیا کا نہ سائل بن، اللہ کا سائل بن
اس دَور میں باعزّت رہنا ہے اگر زندہ
پیکار کی دُنیا ہے پیکار کے قابل بن
ساحل کی نہ پروا کر موجوں کے تھپیڑوں میں
سیلابِ حوادث میں تُو خنجرِ ساحل بن
دُنیا کی فضا پر چھا مستی کی طرح چھا جا
میخانۂ ہستی میں پیمانہ کشِ دل بن
اقبالؔ کے دم سے ہی لاہور کی تھی رونق
اے دیدۂ گریاں اب رسوا گرِ ساحل بن

○

دل کی بینا اَور ہے، شیشے کی مینا اَور ہے
اِس کی صہبا اَور ہے اور اُس کی صہبا اَور ہے

ایک مستی ہے کہ مرہونِ خمار و خستگی
جاودانی ہو اثر جس کا وہ نشّہ اَور ہے

ایک ہی جلوہ ہے لیکن فرقِ اہلِ دید میں
چشمِ بینا اَور ہے اور قلبِ بینا اَور ہے

کوہ و صحرا میں جو گُم ہو وہ نہیں سودائے عشق
کوہ و صحرا جس میں خود گُم ہوں وہ سودا اَور ہے

جس کی فطرت ہو امینِ قاہری و دلبری
جس کا شیدائی ہے دل وہ روئے زیبا اور ہے

کس نے یکسر بدل ڈالی مری بزمِ خیال
اب تمنّائی ہوں میں جس کا وہ دُنیا اور ہے

دمبدم ہو اور بھی یہ شعلۂ فرقت بلند
میرے اس دردِ محبّت کا مسیحا اور ہے

تُو نے اے اقبال پھونکا صُورِ اسرافیل کیا
عالمِ فکر و عمل کا اب تو نقشہ اور ہے

○

نوائے شوق کو جب سوزِ جاوِدانہ ملا
غزل سرائی کا مجھ کو بھی اک بہانہ ملا

دکھا کے معرکۂ عاشقی میں خونریزی
نگاہِ قلب کو اندازِ محرمانہ ملا

تمہارے حُسن کو اَبدی فروغ ہو حاصل
ازَل سے دل کو مرے ذوقِ عاشقانہ ملا

مَیں جانتا ہوں غمِ عشق کا مآل ہے کیا
نظر ملا تو سہی، گرچہ کافرانہ ملا

وہ مُرغ ہوں کہ رہا عمر بھر فلک پروا
جہاں میں جس کو کہیں بھی نہ آشیانہ ملا

جو دل میں جوشِ تمنّائے زندگی بھر دے
مجھے وہ بندۂ حق، محرمِ زمانہ ملا

فگار

اشکِ خونیں

عاشقی کا حوصلہ بیکار ہے تیرے بغیر
آرزو کی زندگی دشوار ہے تیرے بغیر

کاروبارِ شوق کی اب وہ تن آسانی کہاں
دل پہ ذوقِ شاعری اک بار ہے تیرے بغیر

شرکتِ بزمِ سخن سے کبھی ہیں باوصفِ عزم
بر بنائے بے دلی انکار ہے تیرے بغیر

جس فراغت کا تمنائی تھا میں تیرے لئے
اب وہ حاصل ہے تو اک آزار ہے تیرے بغیر

دردِ دل جو تھا کبھی وجہِ مباہات و شرف
بہرِ حسرت موجبِ صد عار ہے تیرے بغیر

حسرت موہانی

نالۂ پابندِ نَے

عمرہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں
(اقبال)

سُناتیں کیا کسی کو قصّۂ دردِ نہاں اپنا
نہ کوئی ہم زباں اپنا نہ کوئی رازداں اپنا

وہی ہم ہیں، وہی دیرینہ ماتم بد نصیبی کا
نہ رفتارِ زماں اپنی، نہ دورِ آسماں اپنا

ابھی کچھ داد باقی تھی ہماری سخت جانی کی
ابھی منظور تھا قدرت کو شاید امتحاں اپنا

مقدّر کو تدبّر سے کیا تھا سرنگوں جس نے
نظر آتا نہیں ہم کو وہ "میرِ کارواں" اپنا

کدھر کو جائیں اہلِ کارواں "بانگِ درا" گم ہے
درا کا ذکر کیا اس کارواں کا رہنما گم ہے

ہوا ہے قوم کے اقبال کا لبریز پیمانہ
گیا وہ ساقیِ بزمِ خودی، ویراں ہے میخانہ

جو قندیلِ نوا سے راہِ مستقبل دکھاتا تھا
جو رو رو کر سناتا تھا غمِ ماضی کا افسانہ

غلاموں کو کیا "ذوقِ یقیں" سے آشنا جس نے
گداؤں کو سکھائی جس نے راہ و رسمِ شاہانہ

"یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم"
زمانے کو دیا جس نے یہ پیغامِ حکیمانہ

رلائے گا ہمیں اقبال کا عزمِ سفر برسوں
نہ ہوگی اس شبِ تاریکِ ہجراں کی سحر برسوں

بظاہر خاک میں پوشیدہ اہلِ دل بھی ہوتے ہیں
زمیں پیوندِ دنیا میں مہِ کامل بھی ہوتے ہیں

یہ گردابِ فنا ساحل ہے عمرِ جاودانی کا
کبھی گرداب کی تہ میں نہاں ساحل بھی ہوتے ہیں

یہ دنیا رہگزر ہے اور غبارِ راہ ہیں انساں
غبارِ راہ اکثر واصلِ منزل بھی ہوتے ہیں

تلاشِ نافۂ لیلیٰ میں رہتے ہیں جو سرگرداں
وہ اک دن روشناسِ پردۂ محمل بھی ہوتے ہیں

"بروں از گنبدِ در بستہ پیدا کردہ ام راہے
کہ از اندیشہ برتر می پرد آہِ سحر گاہے"
(اقبال)

کچھ اس انداز سے چھیڑی حدیثِ آرزومندی
غبارِ راہ کو تو نے عطا کی شانِ الوندی

جو پایا تجھ کو اپنا محرمِ اسرارِ فطرت نے
تجھے سونپی عروسِ علم و حکمت کی حنابندی

جہانِ آب و گِل سے لے اُڑا "ذوقِ خودی" تجھ کو
گوارا ہو نہ سکتی تھی تجھے "جینے کی پابندی"

ہم آغوش اُس شرارِ جاوداں سے ہو گیا آخر
"تری آتش کو بھڑکاتی تھی جس کی دیر پیوندی"

نشاطِ جاوداں تیرا، بہشتِ جاوداں تیری

فروغِ لامکاں تیرا، فضائے لامکاں تیری

نظر سے "جلوہ آخر" کی تابانی نہیں جاتی
دلِ مہجور کی آئینہ سامانی نہیں جاتی

ہوا تیرے "شکوہِ مرگ" سے ثابت کہ مر کر بھی
"پرستارانِ حق کی خندہ پیشانی نہیں جاتی"

تری تربت پہ جاتے ہیں، بُلاتے ہیں، جگاتے ہیں
یہ نادانی سہی، لیکن یہ نادانی نہیں جاتی

تو وہ شہ کارِ فطرت تھا کہ تجھ کو چھین کر ہم سے
نہیں جاتی "مشیت" کی پشیمانی نہیں جاتی

جہاں آباد ہے تجھ سا مگر انساں نہیں کوئی

ستارے ہیں بہت لیکن مہِ تاباں نہیں کوئی

تجھے ہم عمر بھر روئیں مگر رونے سے کیا حاصل؟ — نہ تجھ کو پا سکیں گے اپنی جاں کھونے سے کیا حاصل؟
ترا داغِ جدائی حشر تک دل سے نہ جائے گا — یہ دُھل سکتا نہیں اشکوں سے مُنہ دھونے سے کیا حاصل؟
نہ پُھوٹے گا نہالِ آرزو آنسو بہانے سے — یہ دانے اب زمینِ شعر میں بونے سے کیا حاصل؟
یہ نالے جب بدل سکتے نہیں تقدیرِ انساں کو — تو ان مجبوریوں پر نوحہ خواں ہونے سے کیا حاصل؟

نہ پایانِ طلب کوئی نہ انجامِ تمنّا ہے
"اثر فریاد دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے"

یہ ممکن ہے کہ گلبرگِ تر سے ہو شرر پیدا — نہیں ممکن کوئی اقبال سا ہو پھر بشر پیدا
حیاتِ آوارۂ دیر و حرم رہتی ہے صدیوں تک — تو بزمِ عشق سے ہوتا ہے اک صاحب نظر پیدا
کئی پرویز دادِ عیش و عشرت دے کے مرتے ہیں — تو ہوتا ہے کہیں فرہاد سا خونیں جگر پیدا
"ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے — بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

نہ جانے کتنی مدّت آفتاب اس غم میں جلتا ہے
تو سنگِ تیرہ لعلِ بے بہا بن کر نکلتا ہے

دیارِ شوق سے یارب کوئی معنی طراز آئے
با آہنگِ حجازی پھر صدائے دل نواز آئے

فلک نے مشعلِ خورشید لے کر جس کو ڈھونڈا تھا
کہیں سے وہ امینِ دولتِ سوز و گداز آئے

فقیرِ رہ نشیں کو جو غرورِ خسروی بخشے
خمستانِ خودی سے وہ شرابِ خانہ ساز آئے

"سرودِ رفتہ" کی پھر آرزو ہے گوشِ معنی کو
کسی وادی سے پھر اقبال سا دانائے راز آئے

ترا قسمت شناس اے گلشنِ ایجاد پیدا ہو
کوئی نوحہ گرِ غرناطہ و بغداد پیدا ہو

حفیظ ہوشیار پوری

حضرتِ اقبالؒ کا مزار

جانبِ شرق جو ہے مسجدِ شاہی کا منارؔ — ایک دن مَیں نے سُنی اس پہ مؤذن کی پکار
غلغلہ کلمۂ توحید کا ہوتا تھا بلند — ساتھ ہی نعرۂ تکبیر کی بھی تھی تکرار
وہ یہ کہتا تھا کہ "آرام سے بہتر ہے نماز" — وہ صدا دیتا تھا "اے نیند کے ماتو ہُشیار"
اُس کی آواز میں اک سوز کی دُنیا تھی نہاں — لرزہ انگیز تھی اس مردِ خدا کی للکار
اُس کی لَے سے تھی مرے قلب کی دُنیا محرم — اس کی آواز سے تھی مری سماعت حظ دار
اُس کی آواز رہِ گوش سے دل میں اُتری — کر گئی روح کے خوابیدہ قویٰ کو بیدار
جا کے دیکھا تو ملی حضرتِ اقبالؒ کی رُوح — جس کے پاؤں میں مری جان ہو سو بار نثار
مجھ کو دیکھا تو کہا "خوفِ تحیّر کیوں ہے؟" — "اپنے مرنے کا مجھے بھی ہے مکمّل اقرار"

"لیکن اس حال میں بھی میرا وظیفہ ہے یہی ہو گیا جس میں مرا جامۂ ہستی صد تار"

"زندگی میں جرسِ قافلہ کہتے تھے مجھے اب مؤذن ہوں میں در حلقۂ بزم ابرار"

"ماذنہ مسجدِ شاہی کا جو ہے کاخِ بلند

دیکھو اس کاخ کے سائے میں بنا میرا مزار"

مرتضیٰ احمد خاں میکش

اقبالؒ کے مزار پر عقیدت کے آنسو

۱

شاہنشہِ اقلیمِ معانی اقبالؔ   دانائے رموزِ آسمانی اقبالؔ
احباب کو مرثیہ پہ اصرار ہے کیوں   رکھتا ہے حیاتِ جاودانی اقبالؔ

۲

پیغام پہ پیغام چلے آتے ہیں   انعام پہ انعام چلے آتے ہیں
بے تار کا سلسلہ تھا جبرئیل کے ساتھ   الہام پہ الہام چلے آتے ہیں

۳

اقبالؔ تھا آشفتۂ گیسوئے حجاز   اقبالؔ، شہیدِ تیغِ ابروئے حجاز
مرقد میں بھی انتظار باقی ہے اُسے   ہونٹوں پہ تبسّم اور مُنہ سوئے حجاز

۴

گفتارِ حکیم ہے کلامِ اقبالؔ
پیغامِ کلیم ہے پیامِ اقبالؔ
سرمایۂ جوشِ زندگانی ہے یہی
گر دل میں ہو سوزِ ناتمامِ اقبالؔ

قطعۂ تاریخ وفات

کون لائے گا اب پیامِ سروش؟
اے دلؔ، اقبالؔ ہو گیا رُوپوش
شمعِ خاموش، سالِ ہجری ہے
عیسوی، شمعِ شاعرئ خاموش

۱۳۵۷ھ
۱۹۳۸ء

خواجہ دل محمدؔ

اقبالؒ

روح و روانِ روشنی، مہرِ منیرِ علم و فن
آج ترے فراق میں جانِ جہاں ہے پُرحزن

ختم تھی تجھ پہ روشنی، جس کا بنا رفیق تو
اس سے رہا تو ہمنوا مثلِ عنادلِ چمن

چشمۂ علم سے ترے نہرِ حِکَم رواں مدام
فکرِ رسا تری سدا باعثِ حیرتِ زَمَن

دورِ جدید میں اگر فکرِ جدید کا ظہور
ہونا تھا تیری قوم کے فکرِ صحیح میں خندہ زن

طبعِ غیور میں تری اُٹھتا تھا ایک ولولہ
ہاتفِ غیب بن کے تو دل پہ تھا روشنی فگن

کون بنے گا تیرے بعد دینِ ہُدیٰ کا ترجمان؟
آئے گا کب جہاں میں پھر تجھ سا امیرِ سخن

جلال الدین بیرسٹر

اقبال بلند ہو گیا ہے

غم حوصلہ مند ہو گیا ہے
دل صبر پسند ہو گیا ہے

دریا دریا تھے میرے آنسو
وہ چشمہ ہی بند ہو گیا ہے

غم کھانے کی ہو گئی ہے عادت
یہ زہر بھی قند ہو گیا ہے

کچھ لطف نہیں ہے زندگی کا
ہر سانس گزند ہو گیا ہے

ہاتھوں سے خوشی کا ہر بہانہ
پروازِ پرند ہو گیا ہے

اندازِ حیات و مرگِ اقبالؔ
میرے لئے پند ہو گیا ہے

دنیا میں بڑا تھا اس کا رتبہ
عقبیٰ میں دوچند ہو گیا ہے

اقبال بلند تھا ہمارا
اب اور بلند ہو گیا ہے

حفیظؔ جالندھری

علاّمہ اقبالؒ

لطفِ مجلس کیا رہا جب میرِ مجلس اُٹھ گیا — وائے ناکامی کہ بزمِ اہلِ دل برہم ہے آج

تھا جہاں کل نغمۂ مستانہ کا جوش و خروش — ہے وہاں آہ مسلسل، نالۂ پیہم ہے آج

سینۂ مسلم کہ تھا گنجینۂ شوق و اُمید — ہے وفورِ یاس اُس میں اور ہجومِ غم ہے آج

فکر کی جب سالِ رحلت کی تو دی دل نے صدا

ملّتِ اسلام میں اقبالؔ کا ماتم ہے آج

۱۳۵۷ھ

عابد حسین

وصالِ اقبالؒ

(۱)

دُنیا سے اُٹھا راج دُلارا اقبالؒ نظروں سے چھُپا راج دُلارا اقبالؒ
ہر لحظہ ہے یوں نوحہ سرا مادرِ ہند پیارا اقبال، ہائے پیارا اقبالؒ

(۲)

اسرار خودی کے کون سمجھائے گا خود تڑپے گا کون، کون تڑپائے گا
اسلام اِسی غم میں گھُلا جاتا ہے دانائے رموزِ عشق، کون آئے گا

(۳)

محسودِ شہاں مردِ قلندر نہ رہا محکوم کا، مظلوم کا داور نہ رہا
یوں مرثیہ خواں ہے عالمِ نوعِ بشر آزادیٔ انساں کا پیمبر نہ رہا

نشترؔ جالندھری

آہ اقبالؒ

آہ! وہ اقبال کا سوزِ جگر　　آہ! وہ دیں کے شبستاں کا چراغ
آہ! وہ شعلہ جو مخفی ہو گیا　　کر کے روشن بزمِ ایماں کا چراغ
آہ! وہ پُر درد و حق آگاہ دل　　تھا جو حکمت کے دبستاں کا چراغ
روشنی لیتا تھا جس کے نور سے　　عشقِ حریّت کے ایواں کا چراغ
اے قضا یہ نور چھپنے کا نہیں　　گوشۂ دامن سے کیوں ڈھانکا چراغ
بے بصیرت مُردہ دل کہتے رہیں　　بُجھ گیا گورِ غریباں کا چراغ

جاودانی ہے اثر اقبال کا
گُل نہ ہو گا اس گلستاں کا چراغ

ناصر حسن حسنپوری

آہ! سر اقبالؒ

آج رخصت ہوئے دُنیا سے جنابِ اقبالؒ
چُھپ گیا زیرِ زمیں ملّتِ بیضا کا ہلال

آج گُل ہو گئی ماتمکدۂ ہند میں شمع
جس کی کرنوں سے منوّر ہوا فانوسِ خیال

آج رخصت ہوا اقوامِ مِلل کا مُحسن
کیوں نہ ہر قلب پہ طاری ہو غم و رنج و ملال

ہندی نغموں میں بھرا سوزِ حجازی جس نے
کشورِ ہند میں تازہ کیا ایمانِ بلالؓ

فیضیاب اس سے ہوئے مشرق و مغرب یکساں
اسکے شرمندۂ احساں ہیں جنوب اور شمال

جس کے نغموں سے ہوا سرِ خودی کا افشا
یہی تھا اصل میں اُس مردِ قلندر کا کمال

دردِ اسلام نے رکھا سدا بیتاب اُسے
خوں رُلاتا تھا اُسے ملّتِ بیضا کا زوال

خالیٔ مشرق ہوا اس گوہرِ یکدانہ سے
جسکی ڈھونڈے نہ ملے گی کہیں دُنیا میں مثال

خاک میں چھپ گیا وہ مردِ یگانہ صد حیف
جس کی نظروں میں تھا ملت کا عروج اور زوال

پارہ پارہ ہے جگر، روح پہ ہے غم کا سایہ
اور دلِ مسلمِ بیچارہ ہے صدیوں سے نڈھال

اُٹھ گیا آج نقیبِ حشمِ پیغمبر
اُٹھ گیا آج زمانے سے محمد اقبالؒ

بزمی انصاری

یادِ اقبالؒ

ایشیا کا فخر، مشرق کا پیمبر چل بسا
آہ! وہ اقبالؒ، وہ مردِ قلندر چل بسا

جس کی تابش سے منوّر تھا جہانِ شاعری
آسمانِ شعر و حکمت کا وہ خاور چل بسا

گرم تھا دل جس کا سوزِ احمدِ مختارؐ سے
اجتہاد و صدق و آزادی کا پیکر چل بسا

جس نے پھونکا ملّتِ بیضا میں افسونِ حیات
زندگیِ جاوداں کا وہ پیمبر چل بسا

ہند کے سارے جواہر جس کے آگے ماند تھے
آہ! وہ انمول وہ لاثانی گوہر چل بسا

عشق تھا جس کی نظر میں ملّتوں کی زندگی
وہ محیطِ عشق و اُلفت کا شناور چل بسا

بام پر جس نے ترقّی کے چڑھایا قوم کو
عہدِ موجودہ کا وہ بیباک رہبر چل بسا

وہ کہ جس کی ہر نوا تجدیدِ شانِ رفتہ تھی
سیرتِ بسطامیؒ و بوذرؓ کا مظہر چل بسا

اثرؔ چکوالی بی۔اے

اقبالؔ اور سرزمینِ پنجاب

لُٹ گیا تیری تخیّل آفرینی کا شباب
خون کے دانے اُگل اے سرزمینِ پنج آب!

بیخودی اب کس کو بخشے گی خمارِ معنوی
اُڑ گئی تیری صراحی سے خرد پرور شراب

شعریّت کا سوزِ جاں افروز برسائے گا کون؟
کون اب فطرت کے چہرے سے اُٹھائے گا نقاب؟

بُجھ گیا تیری فضیلت کا وہ ضَو افگن چراغ
آسماں پر ڈھونڈتا پھرتا ہے جس کو آفتاب

لے گئیں حوریں اُٹھا کر اس پریشاں حال کو
تُو ہی کیا، روتی ہے اک دُنیا ترے اقبالؔ کو

لیکن اے بدبخت ہے تو ناشناسِ التفات
کس طرح کرتا ترے آغوش میں وہ دن سے رات

اَن سُنی کرتی تھی تُو اقبال کی بانگِ درا
لے کے آیا تھا وہ تیرے نام پیغامِ حیات

ترک کی پھر بھی نہ تُو نے بے حسی مُردہ دلی — لاکھ سمجھاتا رہا وہ زندگانی کے نکات
ظلمتوں میں دیکھتا تھا وہ تجلائے قلوب — اس کا ہر انداز تھا گرہ ویدۂ صد مشکلات

وہ تری تقریبِ ہمت سوز میں شامل نہ تھا
تیرا گلشن اس بلا آہنگ کے قابل نہ تھا

اب تُو کہتی ہے دلِ بے حس کو گرمائے گا کون؟ — رعبِ سلطانی کو اپنے در سے ٹھکرائے گا کون؟
ہو گا اسرارِ خودی کا مخزن اب کس کا کلام؟ — گیسوئے اُردو اب اے اقبال سلجھائے گا کون؟
کون اب پہنچائے گا پیغامِ بالِ جبریل؟ — جامۂ نو کہنہ ترکیبوں کو پہنائے گا کون؟
کون اب دے گا زمانہ کو غمِ ضربِ کلیم؟ — روحِ خوابیدہ کو اب سینے میں تڑپائے گا کون؟

تُو رموزِ بے خودی کا آئینہ پرداز تھا
اس گلستاں کو ترا گریہ ابھی درکار تھا

بسمل دہلوی

سرودِ رفتہ

حضرتِ اقبال آں معجز گرے ‏— در جہانِ شاعراں پیغمبرے

شاعرِ مشرق، حکیمِ باکمال ‏— آسماں دولت، سلیماں گوہرے

ظاہرش مانندِ باطن خوش نظر ‏— باطنش از ظاہرِ او خوشترے

مست از صہبائے اللہُ الصّمد ‏— کسوتِ لا تقنطوا اندر برے

راست ایں باشد کہ گوئی نورِ جاں ‏— از شعاعِ مہر و ماہ روشن ترے

آنکہ شد ضربِ کلیمش در جہاں ‏— بہرِ فرعونِ فرنگی خنجرے

آنکہ خوردہ از سبوئے لا الٰہ ‏— ساتگیں آسا لبالب ساغرے

ملّتِ اسلام را بطلِ جلیل ‏— شاعرے حرّیت آں جادوگرے

غافل از خود در جہانِ بے خودی   خوش سرود ایں شعرِ حیرت پرورے

"غرقِ دریا طفلک و برنا و پیر
جاں بساحل برد یک مردِ فقیر"

فیضی جالندھری

نوحۂ اقبال

کس قدر درد آفریں ہے شاعرِ مشرق کا غم
روزِ محشر سے نظر آتا نہیں یہ روزِ کم

بن گئے ہیں سر بسر کاشانۂ رنج و الم
کابل و ہندوستاں، مصر و عرب، روم و عجم

فرطِ غم سے گلشنِ اسلام ہے پامال آج
سو گیا ہے اُمّتِ مرحوم کا اقبال آج

کون اب تازہ کرے گا آتشِ عشقِ مجاز؟
کون بخشے گا دلِ عشّاق کو سوز و گداز؟

اب کہاں دیکھے گی چشمِ غزنوی حُسنِ ایاز؟
کون سمجھائے گا اس کو معنیٔ ناز و نیاز؟

درد بن کر درد کی کھینچے گا اب تصویر کون؟
عشق بن کر اب کرے گا عشق کی تفسیر کون؟

اُٹھ گیا دنیا سے میرِ کاروانِ زندگی　　جس کے دم پر ناز کرتا تھا جہانِ زندگی
جس کی ہمت سے کھلے تھے رازِ نہانِ زندگی　　جس نے آساں کر دیا تھا امتحانِ زندگی

جس کا ہر اک حرف تھا آئینہ دارِ کائنات
جس کا ہر اک لفظ تھا گنجینۂ رازِ حیات

آہ پنہاں ہو گیا دنیا سے وہ دانائے راز　　پیکرِ مشرق میں تھا جس کی نوا سے سوز و ساز
ذوقِ پروازِ تخیل جس کا تھا شاہیں نواز　　جس کے اندیشے میں تھی اک گرمیٔ آہن گداز

آتشِ حسنِ ازل تھی شوخیٔ تحریر میں
گرمیٔ ذوقِ عمل تھی نالۂ شبگیر میں

منظور حسین

اقبالؔ زمارفت

بیتاب دلِ زار اکہ اقبال زمارفت ــ اقبال زمارفت

از دارِ فنا جانبِ دنیائے بقارفت ــ اقبال زمارفت

آں بود حکیمے، پئے ہر درد دوائے ــ بے حرص وہوائے

دانائے مسیحا نفس ودستِ شفارفت ــ اقبال زمارفت

بشکست دلِ غنچہ وشد چاک جگرِ گل ــ تر دیدۂ بلبل

ہمرنگ صبا آمد وہمرنگ صبا رفت ــ اقبال زمارفت

ناواقفِ رہ، قافلۂ ملّتِ بیضا ــ در پیش خطرہا

خاموش بشد بانگِ درا، راہنمارفت ــ اقبال زمارفت

آں نغمہ سرا نیست بہ غم محوِ فغانیم
بے روح و رواں نیم
در محفلِ محبوبِ ازل دلبرِ یار رفت
اقبال ز ما رفت

خورشید صفت روشن و چوں ماہ منیرے
رخشندہ ضمیرے
زیں عالمِ ظلمات بصد نور و ضیا رفت
اقبال ز ما رفت

آں مجتہدِ عصر و حق آگاہ مجدّد
بے خوف موحّد
پیغامِ خودی داد بدرگاہِ خدا رفت
اقبال ز ما رفت

پیغامِ اجل یافت و شد راہیِ جنّت
با شوق و مسرّت
از امرِ خدا آمد و شاکر بہ رضا رفت
اقبال ز ما رفت

فرّخ امرتسری

اقبال رح

اقبال، اے سپہرِ بلاغت کے آفتاب ہوگا نہ کوئی مُلکِ سخن میں ترا جواب
پل کر ہوا جواں ترے آغوشِ فکر میں کہتے ہیں جس کو اہلِ جہاں جوشِ انقلاب
تُو نے اُٹھا کے پردۂ فطرت دکھا دیا دریا میں دشت، دشت کے آغوش میں سراب
تیرا دماغ مطلعِ خورشیدِ معرفت تیرا خیال علم و حقیقت کا ماہتاب
جس سے تھے مست بادہ کشانِ حنین و بدر تُو نے پلائی شعر کے ساغر سے وہ شراب
تعبیر جس کو ڈھونڈتی پھرتی ہے چارسُو تُو نے دکھا دیا وہ نئی زندگی کا خواب
کتنی حیات بخش ہے تیری نوائے شوق پیرِ جہاں نے چھیڑ دیا نغمۂ شباب

تُو نے بتائی قوم کو تدبیرِ زندگی
پھیلی ترے کلام سے تنویرِ زندگی

اقبالؔ اے پیمبرِ ایمانِ انقلاب — تو نے پڑھایا مصحفِ عرفانِ انقلاب

باقی اگر ہے فیض تری موجِ طبع کا — اُٹھّے گا بحرِ ہند سے طوفانِ انقلاب

تارِ رگِ حیات سے باندھیں گے نوجواں — توڑا جو چرخِ پیر نے پیمانِ انقلاب

آنے کو ہے وہ روز کہ معشوقۂ فرنگ — مانگے گی مُنہ چھپانے کو دامانِ انقلاب

مشرق کی کالی رات سے پھیلے گا نُورِ صبح — ہوگا طلوع مہرِ درخشانِ انقلاب

شاداب ہوگا بارشِ لطفِ کریم سے — صحرائے انقلاب و گلستانِ انقلاب

بانگِ درا، زبورِ عجم، بالِ جبریل — ہوں گے جدید عہد میں ارکانِ انقلاب

اقبالؔ کے کلام میں غلطاں ہے جس کا نور
چرخِ عمل سے ہوگا اسی چاند کا ظہور

مانندِ ابرِ فیض گلستانِ ہند پر — برسا، برس کے غنچۂ وحدت کھلا گیا

آیا تھا لے کے خُلد سے پیغامِ زندگی — پیغام دے کے خُلد کو واپس چلا گیا

سازِ حیات چھیڑ کے مضرابِ عشق سے — نغموں سے دردِ دل کی کہانی سُنا گیا

وہ سحرِ پُر اثر جسے کہتے ہیں لوگ شعر — اس سحر سے وہ رازِ دو عالم بتا گیا
سوئی پڑی تھی قومِ ہلاکت کی نیند میں — ہنگامۂ حیات و عمل سے جگا گیا
شامِ سیاہِ ہند میں جس سے تھی روشنی — دستِ اجل وہ شمعِ منوّر بجھا گیا
اے شاہِ شاعرانِ زمانہ ترا وصال — بزمِ سخن کو محفلِ ماتم بنا گیا

لیکن ترے کلام سے زندہ ہے تیرا نام
جاری ہے حشر تک ترا دریائے فیضِ عام

اطہر اثر سری

اقبالؔ

ہائے وہ اقبالؔ جو تھا واقفِ رازِ حیات
ہائے وہ اقبالؔ جس سے بہرہ ور تھی کائنات

ہائے وہ اقبالؔ جو تھا مصدرِ ہر علم و فن
فخرِ ملّت، فخرِ دنیا، فخرِ دیں، فخرِ وطن

ہائے وہ اقبالؔ جس سے تھا ہرا مذہب کا باغ
فلسفی، دانا، مدبّر، منطقی، روشن دماغ

ہائے وہ اقبالؔ جس کا چشمۂ فکرِ جمیل
ہوشمندانِ وطن کے واسطے تھا رودِ نیل

بڑھ گیا صد حیف اس کی سمت بھی دستِ اجل
چل بسا دارِ فنا سے وہ ادیب بے بدل
آسماں کی کج خرامی پر زمیں رونے لگی
ذرّہ ذرّہ پر جہاں کے اک اُداسی چھا گئی
شامِ غم کی ظلمتوں میں چھپ گئی صبح بہار
محفلِ علم و ادب کے مٹ گئے نقش و نگار
لہلہاتی تھی جو اس کے فیض سے کشتِ علوم
ہو گئی ہے آج نذر گرمیٔ بادِ سموم
قوم کی برگشتہ حالی آج دونی ہو گئی
مادرِ ہند آج تری گود سونی ہو گئی

جامؔ عباسی رام پوری

علامہ اقبالؒ

امامِ فلسفہ و مردِ دانشِ حاضر
محمدِ عربی کا غلام اور شاعر

وہ مردِ شعر و سخن، راہِ قدس کا راہی
ملی تھی حق سے جسے نعمتِ خود آگاہی
وہ ایک مردِ قلندر، قلندری میں امیر
وہ جس کا فقر دلیلِ شکوہِ صد شاہی

خودی کے بھید کو دنیا پہ کھولنے والا
خدا کی راہ میں حق بات بولنے والا
مقامِ عشق کے رازونیاز کا محرم
متاعِ حُسن کو لفظوں میں تولنے والا

وہ مردِ فکر و نظر، رہ نوردِ راہِ ثبات
وہ جس کی ایک صفت مایۂ ہزار صفات
وہ جس کے نطق سے ٹوٹا طلسمِ سنگ جمود
وہ مردِ حکمت و دیں، واقفِ مآلِ حیات

وہ مردِ جہد و عمل جس کی ضرب تھی کاری — وہ جس کا علم جلالِ خودی و خودداری
وہ جس کے فیض سے شاداب روح کی دُنیا — وہ جس کا حوصلہ، فکر دل کی بیداری

وہ فلسفی، وہ حق آگاہ، وہ حکیمِ جلیل — وہ جس کا فلسفہ دیتا ہے دعوتِ تکمیل
وہ جس کی بانگِ درا روحِ کاروانِ حیات — وہ جس کے نطق کا ہر لفظ اک صدائے رحیل

وہ جس کا نطق ہے اعجاز دینِ قیّم کا — وہ جس کا قلب تھا اک راز دینِ قیّم کا

جنونِ عشق میں خوددار، قوم کا اقبالؔ
وہ سرفروشوں کا سردار، قوم کا اقبالؔ

حامد الانصاری غازی

آہ! اقبالؒ

شمعِ فطرت تھی جہاں میں زندگی اقبال کی
ہر طرف پھیلی ہوئی تھی روشنی اقبال کی

بھا گئی اہلِ وطن کو بے خودی اقبال کی
مہرِ تاباں بن کے چمکی شاعری اقبال کی

سوزِ پروانے کا پنہاں اسکی خاکستر میں تھا
شعلۂ گردوں نورد اسکے دلِ مضطر میں تھا

اس نے چمکایا ستارہ عظمتِ اسلام کا
قطرہ قطرہ تھا حقیقت ریز اسکے جام کا

چل سکا قابو نہ اُس پر گردشِ ایّام کا
دہر میں بجتا ہے ڈنکا آج اس کے نام کا

اک وہی تسکینِ دل تھا غالبؔ و حالیؔ کے بعد
قوم کا کیا حال ہوگا اس کی پامالی کے بعد

اس چمن سے کیسے کیسے نغمہ پرور چل بسے
ہم نوائے بلبلِ شیراز اکبر چل بسے

اہل جوہر کو دکھا کر اپنے جوہر چل بسے
محفلِ شعر و ادب سے داغ و اکبر چل بسے

قوم کا اقبال تھا اقبال بھی جاتا رہا
آہ! وہ اک نقشِ بے تمثال بھی جاتا رہا

اُس نے اس انداز سے چھیڑا ربابِ زندگی
اُٹھ گئے اپنی نگاہوں سے حجابِ زندگی

اُسکے شعروں میں تھا اک جوشِ شبابِ زندگی
ذرّہ ذرّہ بن گیا مستِ شرابِ زندگی

محفلِ ہستی میں ایسا راز داں کوئی نہیں
کارواں باقی ہے میرِ کارواں کوئی نہیں

وہ کبھی غرناطہ و بغداد پر تھا اشکبار
وہ کبھی تھا خاکِ دلّی پر دل و جاں سے نثار

سرزمینِ قرطبہ میں جب ہوا اس کا گذار
کی بلند اس نے وہاں بھی اپنے سینے کی پکار

تھا کبھی مضطر وطن کی بیکسی کے واسطے
غم یہ سب مخصوص تھے گویا اسی کے واسطے

اب کرے گا کون لذّت آشنائے آرزو — کس کے لب سے ہم سنیں گے نغمہ اللہ ہو
کام آئے گا چمن کے کس کی آنکھوں کا لہو — کس سے زینت پائیگا اب جہانِ رنگ و بو

عشق کے اسرارِ پنہاں ہم کو سمجھائیگا کون؟
آتشِ دردِ محبّت دل میں بھڑکائے گا کون؟

ہر نفس اقبال کا پروردۂ الہام تھا — اسکے ہاتھوں میں چھلکتا زندگی کا جام تھا
دردِ ملّت سے تڑپنا باعثِ آرام تھا — شاعرِ اسلام تھا، وہ شاعرِ اسلام تھا

چشمِ ظاہر میں اگرچہ اب وہ ٹوٹا ساز ہے
اس کے نغموں میں حیاتِ جاوداں کا راز ہے

ادیب مالیگانوی

آہ! علامہ سر اقبالؒ

کاشانۂ ہستی سے اقبالؔ ہوا راہی
فطرت نے بُلا بھیجا فطرت کا نمائندہ

ممکن نہیں گردوں سے اب اس کی تلافی ہو
ملّت مِری کھو بیٹھی وہ گوہرِ تابندہ

ہستی کی نشیبوں سے صدیوں نہیں مل سکتے
وہ عشقِ فلک پیما، وہ عقلِ فرازندہ

تاروں سے بہت آگے جاتی تھی نظر جس کی
رخصت ہوا گردوں سے وہ کوکبِ رخشندہ

وہ بندۂ حق آگہ سمجھا گیا دُنیا کو
بڑھتی نہیں ملّت جو باطل سے ہے ترسندہ

رہنے اُسے دیتا کیوں وہ محفلِ امکاں میں
تھا اس کا تخیّل جو کونین کا تازندہ

اُس بندۂ مومن کو فانی نہ سمجھ اے زیبؔ
ایماں ہی تو دنیا میں اک چیز ہے پائندہ

زیبؔ عثمانیہ بیگم لدھیانوی

اقبالؒ جنّت میں

رضواں نے بصد ناز کہا، آگیا اقبالؔ
فردوس میں ہنگامہ ہوا، آگیا اقبالؔ

ہے رقص کناں بادِ صبا، آگیا اقبالؔ
لہرانے لگی ساری فضا، آگیا اقبالؔ

مرغانِ اُولی اجنحہ ہیں زمزمہ خواں سب
حُوروں کے تبسّم سے چمک اُٹھّا جناں سب

اک موجِ طرب پیکرِ تسنیم سے اُٹّھی
مستی سی مزامیرِ زر و سیم سے اُٹّھی

خوشبوئے شفاعت حرمِ میم سے اُٹّھی
رحمت کی گھٹا حُجلۂ تکریم سے اُٹّھی

تکبیر کے نعروں میں بڑھا جاتا ہے اقبالؔ
فردوس کے پھولوں سے لدا جاتا ہے اقبالؔ

ہاتفِ غیبی

اک نور کے بادل سے ندا آئی کہ "خاموش"　　تھے سب ہمہ تن گوش تجلّی سے ہم آغوش

یوں کوئی مخاطب تھا کہ اے ہوشِ جنوں کوش　　یہ ملک ہے فردوس نہ فردا نہ یہاں دوش

یاں کام نہیں شام سے کچھ کو نہ سحر سے

آزاد ہے تو دام گہِ شمس و قمر سے

ہیں اہلِ جناں دیر سے بیدار کے مشتاق　　نوری ہیں تری گرمیِ گفتار کے مشتاق

کچھ اہلِ زمیں ہی نہیں اسرار کے مشتاق　　اس خطہ کے ساکن بھی ہیں اشعار کے مشتاق

ہے حکم ہمارا لبِ اعجاز نما کھول

کس حال میں ہیں عالمِ سفلی کے مکیں بول

اقبال کا جواب

احوال ہے یارب تری دُنیا کا المناک　　زہریلے خیالوں سے فضا ساری ہے ناپاک

دامانِ وفا دستِ تمرّد سے ہوا چاک — باقی ہے محبت نہ صداقت نہ افلاک

تبدیل ہوا نظریۂ زیست جہاں کا

اب نام نہیں لیتا کوئی حفظ و اماں کا

گھمسان کا ہے معرکۂ سود و زیاں اب — ابلیس کے قبضہ میں ہے اقلیمِ جہاں اب

بیکار ہوئے تیغ و سناں تیر و کماں اب — یا بم ہیں یا ہر سمت ہے گیسوں کا دھواں اب

طوفان اُٹھے گا، ہے قرائن سے ٹپکتا

پھر قعرِ جہنّم سے ہے شعلہ سا لپکتا

آمادۂ پیکار نظر آتی ہے دُنیا — آپ اپنے سے بیزار نظر آتی ہے دُنیا

پھر امن کی بیمار نظر آتی ہے دُنیا — فتنوں کی طلبگار نظر آتی ہے دُنیا

اس آگ سے بچ سکتے نہیں ارض و سما بھی

مٹی بھی بھڑک اُٹھے گی، پانی بھی ہوا بھی

ہر قطرہ لہو کا ہے مچل جانے کو تیار — مے کی طرح ساغر سے اُچھل جانے کو تیار

افراد سے افراد بدل جانے کو تیار　　افوام کو اقوام نگل جانے کو تیار

پھر ڈھونڈتے ہیں لوگ اُلجھنے کا بہانہ

لاتفسدوا فی الارض کا منکر ہے زمانہ

خطبہ یہ سُناتے ہیں فقیہانِ فرنگی　　حقدار ہیں جینے کے نہ اصفار نہ زنگی

مچھلی کو سمندر میں ہے دم لینے کی تنگی　　حاوی ہے ہر اک قطرے پہ آئینِ نہنگی

دب سکتا ہے جو زیر زمیں اس کو دبا دو

کمزور کو اب صفحۂ ہستی سے مٹا دو

مشرق کی ہوا طوق و سلاسل کی ہے حامی　　یاں پھولتا پھلتا ہے بہت نخلِ غلامی

ان وطنوں کی اقوام ہیں مدقوق و جذامی　　صحت میں نہ ہندی ہے نہ چینی ہے نہ شامی

خوں صرف ہوا سب مرِ انعمیر نوا میں

مرجاتی ہے تاثیر بھی پژمردہ ہوا میں

ہیں سخت بہت بندۂ مزدور کے اوقات　　دن چین سے کٹتا ہے آرام کی ہے رات

غم خانۂ نادار طرب خانۂ آفات — سرمائے سے مضبوط ہے صنعت کا طلسمات

پھیلا ہوا ہے زیرِ فلک دام کلوں کا
آدم سے لیا جاتا ہے اب کام کلوں کا

مذہب ہے فقط غازۂ رخسارِ معاصی — ہے پردۂ تقدیس میں انبارِ معاصی
تقویٰ کی بغل میں ہے نہاں مارِ معاصی — ہر سجدۂ زہّاد ہے تکرارِ معاصی

جو جرم پنپتے نہیں بدیوں کی رہوں میں
اُن جرموں کی ہے نشو و نما خانقہوں میں

فطرت کا نوا ساز جسے کہتے ہیں اسلام — کونین کا وہ ناز جسے کہتے ہیں اسلام
رحمت کی وہ آواز جسے کہتے ہیں اسلام — وہ دل کا ترے راز جسے کہتے ہیں اسلام

وارث نہیں اسوقت اس اسلام کا کوئی
وارفتہ نہیں اب تو ترے نام کا کوئی؟

دریا ہے تلاطم ہے شکستہ ہے سفینہ — دہشت سے پھٹا جاتا ہے ہر ایک کا سینہ

موجوں کے خم و پیچ ہیں یا موت کا زینہ   ہر قطرے کے دل میں ہے بھری آتشِ کینہ

اب کون ہیں اس کشتیٔ لرزاں کے طرفدار؟

ملّاح تلک ہو گئے طوفاں کے طرفدار

قابو میں مرے دل ہے نہ قابو میں مرے چنگ   ہو ساز اگر تیز مچل جاتا ہے آہنگ

نظروں میں ہوئی جاتی ہے جنّت کی فضا تنگ   یہ عالمِ نیرنگ ہے یا درد کا ارژنگ

یا چھین لے یارب تو سکت میری زباں کی

فردوس میں یا مجھ کو اجازت ہو فغاں کی

سر ہونے نہ پایا تھا ابھی نالۂ مضطر   ٹپکا لبِ اقبال پہ اک قطرۂ کوثر

تسکین کی بوچھار برسنے لگی اُس پر   قندیلِ مقدّس سے ہوئی روح منوّر

پھر کان میں آنے لگے معصوم ترانے

لوٹ آئے وہی جنّتِ ماوی کے زمانے

باطن کی کھلی آنکھ، اُٹھا وقت کا پردہ سب فرق ہوا دُور ازل اور ابد کا
کثرت کا جو دریا ہے وہ وحدت کا ہے دریا وہ ایک رہا، ایک ہے اب ایک رہے گا

ڈالی جو نظر صاف تھا آئینۂ تقدیر
تھی اس میں جھلکتی مگر اعمال کی تصویر

روشن ہے مگر خلد نشینوں کی نظر میں کل کونسی ڈھالیں گے وہ مینائے قمر میں
وہ دیکھتے ہیں کھیت کو بجلی کے شرر میں اور دَورِ جہاں تولتے ہیں نجم سحر میں

ہے سامنے پھر عالمِ حادث کا نظارہ
ضم ہے یم امروز سے فردا کا کنارہ

پھر رافتِ فطری سے ہم آغوش ہے دُنیا نہ راہِ صداقت پہ عمل کوش ہے دُنیا
اُلفت کی ہے لے اور ہمہ تن گوش ہے دُنیا خاموش ہے پُر جوش ہے باہوش ہے دُنیا

اک گوشہ میں بیٹھا ہوا سر دھنتا ہے ابلیس
خار اپنی ہزیمت کے پڑا چُنتا ہے ابلیس

کوثر کے کنارے پہ ہے اقبالؔ نواز ن طوبیٰ کے سر شاخ ہے بلبل کا نشیمن
مضراب خودی سے وہ بپا کرتا ہے گلشن نغمہ کبھی نسریں ہے کبھی گل، کبھی سوسن

کہتے ہیں ملائک کہ دلآویز ہے اقبالؔ
حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے اقبالؔ

روشن دین تنویرؔ

نذرِ اقبالؒ

ایشیا کے نور، اے اسلام کے بطلِ جلیل!
تیرا پروازِ تخیّل ہم نوائے جبرئیلؑ

فارسی زندہ تھی تیری شوخیٔ گفتار سے
زینتِ کاشانۂ اُردو تری فکرِ جمیل

سوزِ رومیؔ شعلہ افشاں تھا نواؤں میں تری
اور ترے تخییل میں تھا جلوۂ روحِ خلیلؑ

کارواں سالارِ اُمت ہے ترا نقشِ حیات
مردِ مومن کے لئے تیری نوا بانگِ رحیل

نسلِ آدم مدتوں روئے گی تیری یاد میں
اور دلیلِ زندگی ہوگا تری فکرِ جمیل

رنگ بدلے گی ہزاروں گردشِ دوراں مگر
غیر ممکن ہے کہ پیدا ہو سکے تیرا مثیل

تو متاعِ رفتہ کی اک رہ گیا تھا یادگار
چھن گیا اسلامیوں سے یہ بھی انعامِ جلیل

لے کے آیا بارگاہِ قدس میں تیری شمیمؔ
آنسوؤں کے چند قطرے یعنی اک نذرِ قلیل

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ تیرے در کی دربانی کرے

اقبال شمیم بھیروی

اقبالؒ

دیارِ ہند میں آوارہ تھی جو بوئے لطیف — اُڑا کے لے گئی اُس کو ہوائے ذوقِ وصال

لبِ نیاز پہ لرزاں تھی جو نوائے سروش — پہنچ گئی وہ تڑپ کر سرِ حریمِ جمال

کہاں ہے آج وہ آئینہ دارِ حسنِ خودی؟ — جلائی برقِ حقیقت سے جس نے شمعِ خیال

کہاں ہے آج وہ نغمہ طرازِ سازِ الست؟ — دلوں میں پھونک دی جس کی نوا نے روحِ بلالؓ

درازدستیِ فطرت سے ہو گیا خاموش! — وہ سازِ عشق کہ جس کی نوا تھی بادِ شمال

خزاں کی تند ہواؤں کی تاب لا نہ سکی! — وہ شمعِ نغمہ پرویں کی طرح جس کا جمال

تجھے خبر بھی ہے اے مستِ بے پناہِ اجل؟ — تری جفا سے ہوئی کشتِ عاشقی پامال

تجھے خبر بھی ہے اے رستخیزِ بادِ فنا! — کہ بجھ گئی تری جولانیوں سے شمعِ کمال

ہُوا خموش مدینے کا سازِ روح گداز
نوائے طوطیِ بامِ حرم ہے بے پر و بال

کہاں وہ سوزِ نوا ہائے زندگی افروز!
کہاں وہ لطفِ تب و تابِ محفلِ اقبالؔ

نظر میں اب بھی ہیں نقشے وہی سمائے ہوئے
عروسِ شعر ہے ماتم میں سر جھکائے ہوئے

سراج الدین ظفرؔ

عظمتِ اقبالؒ

(۱)

تجھ سے آباد آرزو کا جہاں　　زندگی بخشِ مدعا ہے تُو
تیرے نغموں میں سحرِ بیداری　　مطربِ قُدس کی نوا ہے تُو
تجھ سے فطرت صحیفۂ اُمید　　عشق کی بزم کا دیا ہے تُو

تُو ہے دینِ خُودی کا پیغمبر
مذہبِ عشق کا خدا ہے تُو

(۲)

دیکھ کر تیرے فکر کی رفعت　　حیرتی ہے فضائے لامحدود

تیری حق بیں نگاہ کے آگے — اک ردائے حقیر چرخِ کبود
کعبۂ عشق کا ہے تو معمار — عقل کے سومنات کا محمودؔ

تجھ پہ وا ہیں حیات کی راہیں
تیرا تسخیرِ مرگ ہے مقصود

شبیر محمد حمید

شکستِ شیشہ

شیشۂ کائنات ٹوٹ گیا
آج اقبالؔ ہم سے چھوٹ گیا

کس کے پہلو میں ہے وہ روحِ مجاز
کس کی فکرِ رسا ہے کاشفِ راز؟

کوئی جانبازِ فلسفہ نہ رہا
قلبِ مسلم کا حوصلہ نہ رہا

ہائے ملّت کا پہلواں نہ رہا
وہ دمِ نزع رجز خواں نہ رہا

زندگی کھو رہی ہے آج کسے؟
شاعری رو رہی ہے آج کسے؟

ایشیا آج اشکبار ہے کیوں؟
روحِ غالبؔ کی زار زار ہے کیوں؟

گوئٹے کے مزار پہ شبنم
کہہ رہی ہے بصد فغان و الم

آج عالم ہے پائمال ترا
کوئی ہمسر نہ ہم خیال ترا

مغرب کی شانِ دل لگی نہ رہی
لب پہ مشرق کے وہ ہنسی نہ رہی

چل بسا اک حکیمِ نبضِ مِلَل
شرق سے غرب تک ہے ایک خلل

روئے عالم پہ چھا رہا ہے مَلال
ہائے دُنیا سے چل بسا اقبالؔ

اجملؔ نجیب آبادی

مرقدِ اقبالؒ

وہ کہ جس کے دم سے تھے نقشِ تمامِ خودی کی رو میں
واقفِ رازِ خودی تھا عاشقِ نامِ رسول

جس نے ملّت کے دلوں میں بھر دیا سوزِ بلالؓ
جس نے ملّت کو سکھائے زندہ رہنے کے اصول

جس نے ضرب کا سے توڑا تھا طلسمِ رنگ و بو
جس کو عالمگیر انسانی اخوّت تھی قبول

جس نے قلبِ ہند میں پھونکا تھا صورِ انقلاب

جس کا دل تھا قیصریت کے مظالم پر ملول

وہ قلندر جس نے مشرق سے کہا "بیدار شو"
جس نے ملّت سے کہا تقلیدِ مغرب ہے فضول

وہ قلندر جس نے افشا کر دیا سرِّ حیات

آج اُس کی قبر پہ ہے رحمتِ حق کا نزول

میں نے کل شب خواب میں دیکھا یہ نظارہ عجیب
عُرفی و رومی و خاقانی کھڑے تھے سب ملول

کہہ رہے تھے مرقدِ اقبال پر مولائے روم
ترکِ خوابِ خویش کُن اے واقفِ رمزِ رسُولؐ

محمد اشرف خاں عطا

وفاتِ اقبالؒ

سوئے جنّت ڈاکٹر اقبالؔ رفت   در جوارِ رحمتِ متعال رفت

رفت از ما شاعرِ معجز بیاں   نازشِ اسلامیانِ حال رفت

سوز و سازِ زندگی آموختہ   قوم را و خود باستعجال رفت

ماند رنج و غم بعالم، حسرتا!   باغِ ملّت از خزاں پامال رفت

گفت ہاتف بہرِ تاریخِ وصال

صاحب آفاق سہ اقبال رفت

۱۳۵۷ھ

غلام مصطفٰے بی۔ اے

نوحۂ غم

پھر حشر اُٹھانے پہ تُلا چرخِ کہن آج
اور آگئی پھر دفترِ قسمت پہ شکن آج

پھر سینۂ اسلام ہُوا زخموں سے چھلنی
پھر چرخِ ستمگار ہُوا تیر فگن آج

صد حیف کہ اقبال جدا ہو گئے ہم سے
افسوس! کہ بے بار ہُوا نخلِ وطن آج

اس رنج میں بے نور ہوئے دیدۂ نرگس
اور شعلۂ جاں سوز بنی بوئے سمن آج

رخصت ہُوا محفل سے وہ اسلام کا فرزند
جس کے لئے ماتم میں ہیں ہندو دکن آج

جس بلبلِ ہندی کا ترانہ تھا حجازی
اُس بلبلِ خوش لحن سے خالی ہے چمن آج

جس مردِ قلندر نے کیا سرِ خودی فاش
افسوس کہ خاموش ہے وہ زیرِ کفن آج

جس پھول سے وابستہ تھیں ملّت کی اُمیدیں
وہ پھول ہوا صرفۂ تاراجِ چمن آج

تاریک و سیہ پوش ہُوا مطلعِ اُمّید
ڈوبا افقِ ہند سے اسلام کا خورشید

(خلیق قریشی لائلپور)

استقبالِ موت

کسقدر وحشت اثر ہوتی ہے قیل و قالِ موت
توڑتے ہیں بے پناہ جور و ستم افعالِ موت

زندگی، بیچارگی کا دوسرا اک نام ہے
ہے قیامت در حقیقت جشنِ استقلالِ موت

وہ حکیمِ بے بدل مشرق کا تھا جس سے فروغ
منکشف جس پر تھے اسرارِ حیات، اعمالِ موت

موت سے بے خوف ہو جانے کا جو دیتا تھا درس
کھیل بچوں کے نظر میں جس کی تھے اشکالِ موت

فلسفہ جس کا سمجھتا تھا جہانِ عشق میں
چہرۂ ہستی کی زیبائش ہے خط و خالِ موت

"مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں"
جو کیا کرتا تھا ان لفظوں میں استقبالِ موت

دستبردِ موت اس کو لے گئی ہے چھین کر
گھٹ گیا اقبالِ ہستی، بڑھ گیا اقبالِ موت

علم و حکمت کی بدولت زندۂ جاوید ہے
پیکرِ اقبال ہے گرچہ متاع و مالِ موت

آخری دم کتنے اطمینان و استقلال سے
مردِ مومن کی طرح اس نے کیا ابطالِ موت

دب کے رہ جاؤں میں خوفِ مرگ سے ممکن نہیں
مجھ پہ غالب آ نہیں سکتے کبھی اہوالِ موت

"مَیں مسلماں ہوں مسلماں موت سے ڈرتا نہیں"
خندہ پیشانی سے کرتا ہوں مَیں استقبالِ موت

تبسّم قریشی گجرات

آہ! شاعرِ مشرق

ایک خاتون کے آنسو

آہ! اے اقبال! اے ملکِ سخن کے تاجدار!!
تیرے غم میں آج سارا ہند ہے ماتم گسار

مضطرب تیری جدائی سے ہیں روم و ایشیا
شاعرِ مشرق ہمارے درمیاں سے اُٹھ گیا

تیری ہستی ملک و ملت کے لئے تھی آفتاب
تیری شمعِ زندگی سے ہند و ایراں فیضیاب

دے گیا درسِ حیات تُو ترا رنگیں کلام
زندگی افروز ملت کے لئے ترا پیام

تُو نے ہی ہندی غلاموں کو دیا درسِ خودی
قلبِ فرحت کو کیا کیف آشنائے بیخودی

تیری ہستی ہو گئی دُنیا کی نظروں سے نہاں
ہو گئی حاصل تجھے لیکن حیاتِ جاوداں

فہمیدہ خاتون فرحت

اقبالؔ کا پیغام

برساتی تھی کل رات مری آنکھ ستارے
ہونٹوں پہ مچلتے تھے غضبناک شرارے

جاں حدّتِ افکار سے گھبرائی ہوئی تھی
اک آگ کی آندھی تھی کہ لہرائی ہوئی تھی

نشتر سے چبھوتا تھا کوئی قلب و جگر میں
اقبالؔ کی بے وقت جدائی تھی نظر میں

ایسے میں سیہ فام گھٹا جھوم کے آئی
اقبالؔ کے جنّت میں قدم چوم کے آئی

چلنے لگیں خوابوں کے جزیرے کی ہوائیں
ہونٹوں میں لئے قلقلِ مینا کی صدائیں

آنکھوں نے خنک جھونکوں کو شرما کے صدا دی
کچھ نیند کی مے باقی ہے یا ساری لنڈھا دی

جھونکوں نے تھپک کر مجھے زانو پہ سلایا
اور بہکی ہوئی لے میں کوئی راگ سنایا

اس راگ کی بدمست جوانی میں سما کر
آنکھوں کے جھپکتے ہی میں جا پہنچا فلک پر

کیا دیکھتا ہوں نور کے دریا کے کنارے
بیٹھے ہیں جواں حسن تکیوں کے سہارے

ہر سمت نظر آتا ہے بہکا سا ترنّم — ہر لب پہ چھلکتا ہے نشیلا سا تبسّم
ہر ساز میں نغمات کی مے جھوم رہی ہے — ہر آنکھ میں بد مست ادا گھوم رہی ہے
پھولو نکے جو بستر ہیں تو کلیو نکی ردائیں — اک نیند سی برساتی ہیں مخمور ہوائیں
ہونٹوں میں لئے وصل کی راتو نکی کہانی — پیمانہ بکف پھرتی ہے حوروں کی جوانی
اک حور سے ڈر ڈر کے کہا میں نے "جواں سال — اسوقت کہاں ہونگے بتا حضرتِ اقبال"
اس زہرہ جبیں نے مجھے رستے پہ لگایا — اور دُور سے ایوانِ غلامی بھی دکھایا
مَیں پیکرِ انوار کے دیدار کو پہنچا — اس صاحبِ ایثار کے دیدار کو پہنچا
کیا دیکھتا ہوں حضرتِ اقبال کھڑے ہیں — اور پاؤں میں بیچارے مسلماں پڑے ہیں
آداب بجا لایا مَیں گردن کو جھکا کر — اور عرض یہ کی درد کو سینے میں دبا کر
"اے ہند کی اُجڑی ہوئی بستی کے کنہیا — اے سوئی ہوئی قوم کی کشتی کے کھوّیا"

"مَیں آپ کی آنکھوں میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں
اشکوں کی جگہ سوزِ ضیا دیکھ رہا ہوں"

شاعرِ مشرق کا جواب

اے شاعرِ بیدار! تجھے کیسے بتاؤں
اس عالم پُر درد کا کیا حال سُناؤں

تجھ کو نظر آتے ہیں جو روتے ہوئے چہرے
ان چہروں پہ تھے خدمتِ اسلام کے سہرے

جن ہونٹوں کو تو وقفِ فغاں دیکھ رہا ہے
ان ہونٹوں نے اسلام کا پرچار کیا ہے

ان آنکھوں کو ہر آن جو بیدار رہی ہیں
تسبیح کے دانوں پہ نظر یار رہی ہیں

دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی روانے
آغوش میں لے کے لگایا ہے ٹھکانے

اس جرم میں ملتی ہیں انہیں سخت سزائیں
خونخوار شراروں کی نفس سوز غذائیں

احساس کے ہوتے ہوئے مظلوم رہے ہیں
توحید کی مے پی کے بھی محکوم رہے ہیں

اے نورِ نظر جب تو مرے ہند میں جائے
اور مری ملاقات کے حالات سُنائے

اس سوئی ہوئی قوم کو ٹھوکر سے جگانا
اور درد بھری لے میں یہ پیغام سُنانا

جب تک نہ خس و خارِ غلامی کو جلاؤ
جب تک نہ درِ مشرق و مغرب کو جھکاؤ

جب تک نہ قفس توڑ کے صیّاد پہ لپکو
بڑھ کر ہر اِک اہلِ ستم ایجاد پہ لپکو

اس وقت تلک صاحبِ ایمان نہیں تم
ایمان تو اِک سمت، مسلمان نہیں تم

یہ کہہ کے مجھے آپ سُوئے خُلد سدھارے
مَیں تنہا تھا، دل بیٹھ گیا درد کے مارے

الطاف حسین مشہدی

سر اقبالؒ

ڈاکٹر اقبال وہ روحِ سخن — اس جہاں سے ناگہاں جاتا رہا
بن گئی بزمِ سخن ماتم کدہ — شاعرِ معجز بیاں جاتا رہا
ہو گئی ہے آج اُردو سوگوار — شاید اس کا پاسباں جاتا رہا
کس قدر حیران ہیں اہلِ سخن — آج اُن کا ہمزباں جاتا رہا
گلستانِ ہند ہے سنسان آج — بلبلِ ہندوستاں جاتا رہا
معرفت کہتی ہے آج اسلام کا — نکتہ دان و رازداں جاتا رہا
آج ہیں سب مضطرب جس کیلئے — وہ خدا جانے کہاں جاتا رہا

ذرّہ ذرّہ محوِ ماتم ہے کہ "حیف
شاعرِ جادو بیاں جاتا رہا"

۱۳۵۷

امین شہانی

نوحہ اقبالؒ

آہ! دُنیا سے اُٹھ گیا اقبالؒ — شاعرِ باکمال و با اقبال
خوش بیاں، خوش نصیب خوش قسمت — نیک خو، نیک طبع، نیک خصال
نکتہ رس، نکتہ سنج، نکتہ شناس — آدمی صورت و فرشتہ مثال
دُور بیں، زیرک و فہیم و ذکی — آئینہ دارِ حال و استقبال
حق رس و حق شناس و حق آگاہ — باہنر، باخبر، بلند اقبال
فہم و ادراک و فطنت و دانش — اس ہمہ داں کے تھے یہ رأس المال
تھا جہاندیدہ و مآل اندیش — دولتِ علم و فن سے مالا مال
مغربی فلسفہ سے تھا آگاہ — مشرقی نکتوں سے بھی واقفِ حال
نازشِ دُودمانِ نیک دلاں — فخرِ اوتاد و صوفی و ابدال

آشنائے رموزِ درویشاں | واقفِ جادۂ حرام و حلال
اُس کی شہرت سے گونجتا تھا جہاں | مشرق و مغرب و جنوب و شمال
تھا وجیہہ و شکیل و کوہ وقار | صاحبِ رعب و داب و جاہ و جلال
جسمِ خاکی میں اس کے تھی شائد | طاقتِ بوترابؑ و روحِ بلالؓ
تھی طبیعت میں اس کے ہمواری | صفتِ خاص اس کی استقلال
خضرِ ملّت تھا ناخدائے وطن | قوم کے حق میں تھا وہ گویا ڈھال
خاص عنصر تھے اس کے جود و سخا | تھا نہ کوتاہ اس کا دستِ نوال
اس کے افعال نیک و صالح تھے | قابلِ رشک اس کے تھے اعمال
نقش ہیں دل پہ اہلِ دانش کے | اس کے پند و نصائح و اقوال
ایشیا اس پہ رشک کرتی ہے | اس کی معدوم ہے جہاں میں مثال
شاعری اس پہ ختم ہے واللہ | کچھ نہیں اس میں جائے قیل و قال
شاعرِ اعظم ایشیا کا تھا | ہند ہی میں گڑی ہے اُس کی نال

اس کے دم سے فروغِ اُردو تھا — اُس کے اُٹھنے سے آگیا ہے زوال
اس سے دعوےٰ کرے تقابل کا — نہ ہوئی آج تک کسی کو مجال
خوب ہوتا تھا اس کا استنباط — اور اس سے بھی بڑھ کے استدلال
عارضِ تابناکِ اُردو پہ — تھا وہ پیشِ نظر چمکتا خال
شاعری میں نہ پاؤ گے اُس کی — رنجِ شامِ فراق و عیشِ وصال
تھا خیال اس کا ارفع و اعلیٰ — بال کی وہ نکالتا تھا کھال
اُس یلِ شاعری کا کیا کہنا — ہیچ تھے اس کے آگے رستم و زال
سُن کے اس کا کلام آتا ہے — وجد صوفی کو منتسب کو حال
ہجر سے اس کے غمگساروں کی — ہوگئیں روتے روتے آنکھیں لال
رہ گیا شہبازِ سدرہ نشیں — اس کے دم توڑنے سے بے پر و بال
خاک کو بھی نہ اُس کی پہنچیں گے — ایڑیاں لاکھ رگڑیں گر نقّال
اُٹھ گیا اس کا سایہ دُنیا سے — پرِ عنقا ہے آج اس کی مثال

سب ہیں غمگیں اس کے مرنے سے
صاحبِ جاہ اور اہلِ کمال

سوگ میں اس کے ہیں کہیں وہ بھی
اس کے ماتم میں ہیں اناث و رجال

مَیں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا
روح نے اس کی چھاڑے جبّے و بال

حوریں عرفوں سے تاکتی تھیں اُسے
اور کہتی تھیں سب تعال، تعال

بات کل کی یہ ہے کہ تھا ہر سُو
رونق افروزِ دہر اُس کا جمال

آج عالم ہے اس کے ماتم میں
کل کی باتیں ہوئی ہیں خواب و خیال

کس طرح وہ جئے گا اس کے بعد
زندگی جس کی ہو گئی ہو وبال

نازشِ بزمِ ایشیا نہ رہا
لٹ گیا شاعری کا بیت المال

اختر بریلوی

ماتمِ اقبال

پھر نالہ ہائے غم سے ہے لبریز دل کا ساز
پھر ہو گیا ہے دیدۂ حیراں گہر طراز

وہ حق شناس فلسفی، وہ مردِ نکتہ داں
وہ باکمال شاعر و درویش و پاکباز

نغمے تھے جس سخنورِ عالی دماغ کے
مشرق میں دلپذیر تو مغرب میں جاں نواز

تیرِ اجل نے اس کو نشانہ بنا لیا
تھا ہم کو آہ جس کے کمالِ سخن پہ ناز

محفل سے آج ساقیٔ محفل ہی اُٹھ گیا
آزادؔ اب کہاں وہ شرابِ جگر گداز

ہر بزم وقفِ نالۂ غم ہے ہزار حیف
خوننابہ بار دیدۂ غم ہے ہزار حیف

○

اقبالؔ اے جہانِ معانی کے تاجدار
اے رومیؔ و سنائیؔ و غالبؔ کی یادگار

معنی کو تجھ پہ فخر، تخیّل کو تجھ پہ ناز
نازاں تھا تجھ پہ مشرق و مغرب کا ہر دیار

آتش کا سوز، گُل کی دہک، برق کی تڑپ
سو جاں سے ہو گئے ترے تخییل پر نثار

تُو نے سخن کو زندۂ جاوید کر دیا
تیرے نفس نے دی چمنِ شعر کو بہار

دو گز زمین، آہ! تجھے راس آ گئی
شہرت پہ تیری تنگ تھا دامانِ روزگار

گو زیرِ خاک کالبدِ خاک آ گیا
تو روح بن کے عالمِ جاں میں سما گیا

اے مزرعۂ سخن پہ برستے ہوئے سحاب
اے مطلعِ وطن کے درخشندہ آفتاب

جاں بخش تیری نظم کا ہر استعارہ ہے
ہر لفظ بے مثال ہے، ہر شعر لاجواب

اب آ کے کون دے گا گلِ شعر کو دہک؟
بخشے گا کون گوہرِ معنی کو آب و تاب؟

کہتے ہیں ترجمانِ حقیقت بجا تجھے
ہر رازِ حق تھا دیدۂ باطن پہ بے نقاب

رتبہ تری خودی کا نہایت بلند تھا
تجھ سے ترے خدا نے کیا بار ہا خطاب

اس دور میں تو آگہِ رازِ قدیم تھا
جو ہو حریفِ جلوۂ حق وہ کلیم تھا

○

جسکی صداؤں پر ہمہ تن گوش تھے سروش
وہ جامِ روح پرورِ عرفاں کا بادہ نوش

جس کی نوا سے نادرِ افغاں تڑپ اٹھا
اف، ہو گیا وہ شاعرِ آتش نوا خموش

رنگیں تھا جسکے حسنِ تخیل سے برگِ گل
جسکی گرج سے موجۂ طوفاں میں تھا خروش

سینوں میں جس نے قوتِ گفتار سے بھرا
صہبائے بیخودی کا اثر و عمل کا جوش

جس کے ہر اک نفس میں تھا میخانۂ حیات
تربت ہے اس کی سایۂ مسجد میں سبز پوش

ہے خاک میں وہ عرشِ معانی ہزار حیف
اے انقلابِ عالمِ فانی ہزار حیف

آزاد

آہ! اقبال

آہ! اے اقبال! اے ہندوستاں کے آفتاب
اے مسیحِ عہدِ حاضر! اے حکیم انقلاب!

اے کہ تیری شاعری عقدہ کشائے زندگی!
اے کہ تیرا ہر تکلّم دعوتِ صد اضطراب!

ذرّے کو بنایا تُو نے رازِ کسبِ نُور
خاک کو تُو نے بنایا محرمِ صد آفتاب

ہند کے غفلت کدہ میں رُوحِ مسلم جاگ اُٹھی
تُو نے چھیڑا اس طرح سے عہدِ رفتہ کا رباب

رونقِ تہذیبِ حاضر تیرے آگے سرنگوں
عظمتِ دیرینۂ مسلم کا تنہا تُو جواب

شاعرانِ وقت کے دل ہی سے اسکو پوچھئے
تُو ہُوا ہے شعر کی دُنیا میں کتنا کامیاب

تیری رگ رگ میں تھی سوزِ دردِ مسلم کی تڑپ
تیری ساری زندگی تھی اضطراب اضطراب

تیری رخصت سے ہُوا مسلم کا نقصانِ عظیم
اب بتائے کون اہلِ خواب کو تعبیرِ خواب

کیا بتائیں اک نہ ہونے سے ترے کیا حال ہے — جیسے لُٹ جائے کسی کی دولتِ حُسن و شباب

پھول ہوں کیسے شگفتہ جب چلی جائے بہار — ذرّوں میں کیا سوز ہو جب چھپ گیا ہو آفتاب

اے بہارِ تازہ، تزئینِ گلستاں تجھ سے تھی

شمعِ مسلم، بزمِ ہستی میں فروزاں تجھ سے تھی

سردار بیگم اختر

ترجمانِ ملّتِ بیضا خموش

ارتقائے آدمِ خاکی کی ہے تمہید موت
زندگی فانی ہے اور ہے زندۂ جاوید موت

ظلمتِ شب میں مسافر کے لئے خورشید موت
کائناتِ دہر کے آرام کی تردید موت

موت سازِ زندگی کا نغمۂ خاموش ہے
اب جلائے روح بن کے روح میں روپوش ہے

دیدۂ ہستی ہے ظاہر میں حقیقت بیں نہیں
حادثاتِ غم پہ خاموشی مرا آئیں نہیں

گفتنی احوالِ جانِ مضطر و غمگیں نہیں
اب کسی پہلو دلِ مجروح کو تسکیں نہیں

"ابرِ رحمت دامن از گلزارِ من برچید و رفت
اندکے بر غنچہ ہائے آرزو بارید و رفت"

غرقِ خوں کر دے مجھے اے دیدۂ خونابہ بار
کیفِ غم نے کھو دیا ہے زندگی کا اعتبار

ہر نفس سینے میں کیا ہے ایک تیغِ آبدار
دامنِ اُمّیدِ ملّت ہو گیا ہے تار تار

ہو گیا ہے ترجمانِ ملّتِ بیضا خموش
جسکے ہنگاموں سے تھی چشمِ جہاں حیرت فروش

کون چھیڑے گا محبت آفریں نغموں کا ساز؟
کون سمجھائے گا ہم کو فطرتِ ہستی کا راز؟

گرمیٔ گفتار سے اب کسکی ہونگے دل گداز؟
کس کے اندازِ تکلّم پر کرے گا دہر ناز؟

رحلتِ اقبال سے سارا جہاں ماتم میں ہے
یہ زمیں ماتم میں ہے، یہ آسماں ماتم میں ہے

خواجہ غلام نظام الدین

مزارِ اقبالؒ پر

آج سے ایک صدی بعد ایک زائر کا تصوّر

آہ! اس مدفن کی جانب دل کھِچا جاتا ہے کیوں
خود بہ خود آنکھوں پہ پردا سا اُٹھا جاتا ہے کیوں

کون یہ سوتا ہے فرشِ خاک پر زیرِ زمیں
اک خموشی ہے مجاور اور سبزہ ہم نشیں

کون دعوت دے رہا ہے دل کو سوزو ساز کی
بُو کدھر سے آ رہی ہے بوستانِ راز کی

ہاں سُنتا ہوں یہاں تھا اک مصوّر باکمال
اک ادیبِ نکتہ پرور شاعرِ نازک خیال

جس کے نغموں پر تھا رقصاں انقلابِ زندگی
جس کا اک اک لفظ تھا شرحِ کتابِ زندگی

ہاں مجھے کتبے میں سارا حال آتا ہے نظر
ہر طرف چھایا ہوا اقبال آتا ہے نظر

یہ اُسی چارہ گرِ ہندوستاں کی قبر ہے
اک ادیبِ شاعرِ شیوہ بیاں کی قبر ہے

میری نظریں آشنا ہیں اُس کے ارشادات سے
چُن چکا ہوں پھول اسکے خرمنِ جذبات سے

اس فضائے شعریت میں اک سکوں پاتا ہے دل
اب میں سمجھا کس لئے میرا کھچا جاتا ہے دل

تُو نے اے اقبال وہ پیغام دُنیا کو دیا
از سرِ نو جس نے استحکام دُنیا کو دیا

اس قدر اونچا اڑا آخر ترا شہبازِ فکر
ذہنِ انجم میں بھی پیدا ہو گئی تمکینِ فکر

اس طرح بانگِ درا سے رہنمائی تُو نے کی
خاک کے ہر ذرّے کی عقدہ کشائی تُو نے کی

اُٹھ پھر اے اقبالؔ دُنیا پھر تغافل کوش ہے
تو اگر آوازِ فطرت ہے تو کیوں خاموش ہے

مضمحل شمعِ وطن کو پھر مذاقِ سوز دے
نغمہ در دوشیں کو اپنے جلوۂ امروز دے

پھر نیا پہلو بدل دے گردشِ ایّام کا
کیف تازہ کر خمارِ ہستیِ ناکام کا

شامِ محشر تک بھی تیری یاد جا سکتی نہیں
تیرے احسانوں کو یہ دُنیا بھلا سکتی نہیں

محمد صادق ضیاؔ

غمِ اقبالؒ

اب کہاں بزم نشیں ہے اقبال — ساکنِ خُلدِ بریں ہے اقبال
فلکِ فلسفہ و حکمت کا — لاجرم ماہِ مُبیں ہے اقبال
فرض کیجے جو جہاں کو خاتم — اس کا تابندہ نگیں ہے اقبال
ہے عناصر کا بگڑ جانا موت — غور کر، دیکھ یہیں ہے اقبال
مردِ مومن کا یہی مرنا ہے — دیکھئے خندہ جبیں ہے اقبال

خلشِ زیست سے تھک کر آخر
سو گیا زیرِ زمیں ہے اقبال

پنا لعل شُشدر

ماتمِ اقبالؒ

السلام اے زندۂ جاوید اقبالؒ السلام — صد مبارک باد تجھ کو گلشنِ دار السلام

شاعرِ رنگیں بیاں، ملکِ سخن کے تاجدار — تیرے غم میں ہے دلوں کی مملکت اُجڑا دیار

اُڑ گیا باغِ جہاں سے طوطیٔ شیریں سخن — سوگوار اسکے الم میں کیوں نہ ہوں اہلِ وطن

حیف ہے اس بزمِ ہستی سے بجھا ایسا چراغ — سینۂ ہر مرد و زن ہے جسکے غم میں داغ داغ

آہ! محفل ہے سلامت، گرمیٔ محفل نہیں — زندہ ہیں مسلم مگر سینوں میں اُنکے دل نہیں

آہ اے اقبالؒ تُو تھا وہ درختِ سایہ دار — قوم کو جس نے بنایا قومیّت کا مایہ دار

حیف اب خاموش ہیں تیرے لبِ معجز بیاں — کون اب دُہرائے گا مسلم کی ماضی داستاں

کون مُردہ جسم میں پھونکے گا اب روحِ عمل؟ — کون اب مشکل کرے گا مسلمِ خستہ کی حل

موت سے وابستہ ہے سب کا نظامِ زندگی
زیست صبحِ زندگی ہے مرگ شامِ زندگی

رات کو آرام مل جاتا ہے تھک جانے کے بعد
شغل اچھا ہو تو اجر اسکا ہے مر جانے کے بعد

بوئے خوش پھیلی تو ہے گلزار میں وہ گل نہیں
زمزموں کی گونج پیدا ہے مگر بلبل نہیں

زندگی اقبال تیری ہو گئی وقفِ خزاں
مل گئی تجھ کو مگر اک زندگیِ جاوداں

کہہ رہا ہے دُرِّ اشک اپنا ترے اُوپر نثار
اور دعا گو جی سے ہے یہ مخفیِ سینہ فگار

حشر تک تربت پہ تیری بارشِ انوار ہو
ہم نشیں اندر لحد کے رحمتِ غفار ہو

صالحہ بیگم مخفی

بیادِ شاعرِ مشرق

سفر ز عالمِ فانی نمودهٔ، امروز
بجانِ ما غمِ تازه فزودهٔ، امروز

بجائے آب ز چشمش همی چکد خوناب
بزخمِ سینهٔ ملت چه سودهٔ، امروز

قیاس کن به سرم بگذرد چها امشب
مرا تو منظرِ محشر نمودهٔ، امروز

چرا نه اهلِ نیاز زنند جامِ سرشک
که زیبِ محفلِ ایشاں نبودهٔ، امروز

پیامِ زندگی به هر نفس همی دادی
چه شد که تابِ دلِ ما ربودهٔ، امروز

رحیلِ تو دلِ مشرق را شرحه شرحه نمود
مگر شکیبِ دلش آزمودهٔ، امروز؟

عاشق محمد حاذق

ترجمانِ حقیقت علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ کے افکار، عقائد اور پیغام کے داعی و مبلغ،

ماہ نامہ

پیغامِ حق لاہور

کا مطالعہ کیجیے

جو ملک کے مشہور انشا پردازوں کے زیرِ ادارت ہر ماہ
باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے

قیمت سالانہ -/2/12 نمونے کا پرچہ -/4/-

مینجر رسالہ "پیغامِ حق" ظفر منزل، تاجپورہ، لاہور